بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

عکسِ دروں

سلسلۂ مضامین	عنوانِ مضمون	مضمون نگار	صفحہ نمبر
صدائے حسن	مخلوقِ خدا پر رحم کیجیے!	اداریہ	3
حالاتِ حاضرہ	زمانہ آج بھی کسی مجدد کی تلاش میں ہے!	مفتی محمد اسماعیل نیاز	6
درسِ قرآن	خلع اور تین طلاقوں کا بیان	مفتی غلام اللہ صاحب	16
اسلامی زندگی	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کا دورۂ حدیث کے طلبہ کو چند اہم نصائح	مولانا محمد عثمان	21
	صبر کیسے پیدا ہوتا ہے؟ (بتیسویں قسط)	مولانا ابو محمد حسان شاہ	23
	اپنی قبر کو جنت کا باغیچہ بنالیجیے!	مفتی شمس الحق	29
	انسانیت کا عروج	مولانا محمد سید کراچی	32
	آخرت ہی کو اپنا حقیقی گھر سمجھنا چاہیے!	مولانا عاطف شاہ	35
	اہلِ حق کی پہچان	از قلم: مفتی محمد سلیمان محمدی	38
بیاناتِ جمعہ	پردے کی اہمیت	مفتی غلام اللہ صاحب	43
دارالافتاء	کمپنی کے کسٹمر کا بینک کے ذریعہ پیمنٹ کرنا	مفتی حمید اللہ جان	47
اخبارِ جامعہ	ختمِ بخاری شریف ودستار بندی کی پر رونق تقریب	مفتی عاطف شاہ	49
	جامعہ کے شب وروز	مولانا امجد علی حقانی	54

زرِ سالانہ اندرونِ ملک: 300 روپے۔ زرِ سالانہ بیرونِ ملک: 20 ڈالر

ای میل ایڈریس: atifshah336@gmail.com // Muftifahim@gmail.com

ویب ایڈریس: www.alhasan.org

اکاؤنٹ نمبر: میزان بینک: 8101.0100843213 // MCB: 0284.1002564

مخلوقِ خدا پر رحم کیجیے!

مولانا عاطف شاہ

قرآنِ مجید نے انسان کو عقائد، عبادات اور معاملات کے ساتھ ساتھ سیاست وحکومت کے متعلق بھی ان امور سے روشناس کرایا جو اُن کے لیے دنیا وآخرت میں کامیابی کا باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ قرآنِ مجید کا بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ایک حکمران کے لیے کون سی صفات کا حامل ہونا چاہیے۔ ایک یہ کہ عالم (سمجھدار) اور صاحبِ طاقت ہو، جیسا کہ جب بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کرنے سے صرف اس وجہ سے اعراض کیا کہ اس کو مالی وسعت نہیں دی گئی تو ان کے نبی نے کہا: علم اور طاقت میں تو وہ تم سے زیادہ ہے، گو مالی وسعت نہ بھی ہو۔

دوسری صفت یہ ہے کہ حکمران حق پرست ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت داود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ آپ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور اپنی خواہش کا اتباع نہ کریں۔

تیسری صفت یہ کہ امانت دار ہو، جیسا کہ عالمگیر قحط سے نمٹنے کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کی امانت اور تدبیر سے نہ صرف مصر کے لوگوں کو، بلکہ دور دراز سے آنے والے لوگوں کو بھی فائدہ حاصل ہوتا رہا۔

چوتھی صفت یہ کہ عدل وانصاف کا حامی ہو، جیسا کہ آپ ﷺ نے اپنے دورِ اقتدار میں حکومت کو عدل وانصاف کی بنیاد پر قائم رکھا۔ چنانچہ جب بنومخزوم کی ایک صاحبِ حیثیت عورت نے چوری کی تو آپ ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو حضرت اسامہ بن زیدؓ نے اس موقع پر اس عورت کی سفارش کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔

قارئینِ کرام! درجہ بالا واقعات سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ ایک عمدہ حکمران کے لیے مذکورہ بالا اوصاف کا حامل ہونا ازحد ضروری ہے۔

اس کے بالمقابل ایسے لوگ جو صرف مال ودولت کے بل بوتے برسرِ اقتدار ہوں۔ حلال وحرام میں تفریق کیے بغیر، نیز دوسروں کے غم ودرد کا احساس کیے بغیر جنہیں صرف اپنی ساکھ محبوب ہو۔ عدل وانصاف

اورامانت ودیانت سے کوسوں دور ہوں۔دین سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہ ہو؛الغرض ان کے ہر قول وفعل سے منافقت ٹپکتی ہو۔ایسے لوگوں کو سربراہ اور رہنما بنانا، پھر ان سے خیر کی توقع کرنا،کوئی بیوقوف ہی کرسکتا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے،حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

"فإذا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. قَالَ :كيف إضَاعَتُهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ؟ قَالَ : إذَا وُسِّدَ الْأَمْرُ اِلىٰ غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ."(بخاری ،کتاب العلم)

''آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت (ایمانداری دنیا سے) اُٹھ جائے تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کر۔اس نے کہا:ایمانداری اُٹھنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب (حکومت کی باگ ڈور) نالائق لوگوں کو سونپ دی جائیں تو قیامت کا انتظار کر۔

یعنی جب نااہل افراد کو کوئی ذمہ داری یا عہدہ اور منصب سپرد کیا جائے تو فساد یقینی ہے اور اب دنیوی نظام کو فساد سے کوئی بچا نہیں سکتا؛اس لیے اب قیامت کا انتظار کرو۔

معلوم ہوا کہ نااہلوں کو کوئی معمولی ذمہ داری حوالہ کرنا قیامت کی نشانی قرار دی ہے، چہ جائیکہ انہیں اسلامی مملکت کی سرابراہی کا عہدہ سپرد کیا جائے۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ دورِ حاضر میں وطنِ عزیز کا برسرِ اقتدار طبقہ کون سے اوصاف کا حامل ہے؟ میرے خیال میں جواب مشکل نہیں ہوگا، کیونکہ حالات ہمارے سامنے ہیں کہ ہر طرف کرپشن ،ناانصافی ،ظلم وجبر،وعدہ خلافی کا دَور دورہ ہے۔مایوسی ،نا اُمیدی اور بدامنی کی فضا چھائی ہوئی ہے۔بے روزگاری اور مہنگائی نے ہر شخص کی کمر کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔بجلی ،تیل ،گیس اور اشیاء خورونوش کی قیمتوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔غریب عوام کی قوتِ خرید حد سے باہر ہوچکی ہے۔پورے ملک کو ہلاکت کے دہانے پر کھڑا کردیا گیا ہے اور ڈھیٹ پن کی انتہا یہ ہے کہ اپنے ان سیاہ کرتوتوں کو ملکی ترقی کہہ رہے ہیں۔

ایسے ناگفتہ بہ حالات میں حکمران طبقہ اور ان کے حامی ہوش کے ناخن لیں اور مزید غریب عوام کے زخموں پر مزید نمک نہ چھڑکیں،ان کی مصائب اور مشکلات میں مزید اضافہ نہ کریں۔ان پر رحم کریں۔حدیث میں آتا ہے:

"الراحمون يرحمهم الرحمن اِرحموا من فى الارض يرحمكم من فى السماء"

رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے، لہذا زمین والوں پر تم رحم کرو، آسمان والا (اللہ) تم پر رحم کرے گا۔ (الترمذی)

لہذا اگر اہل حکومت چاہتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے تو آج اللہ کی مخلوق پر رحم کرو اور ان کی جان چھوڑ دو، ورنہ قیامت کے خوفناک عذاب کے لیے تیار رہو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے ناسمجھ اور عاقبت نااندیش حکمرانوں سے نجات دلادے اور بااخلاق، سمجھدار، غم خوار اور عادل حکمران عطا فرمادے جو عوام کے دکھ درد کا مداوا کرے اور وطن عزیز کی ساکھ کو حقیقی معنوں میں برقرار رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب اور ہمارے ملک کا حامی وناصر ہو۔

ومن أحسن قولا ممن دعا إلی اللہ

ماہنامہ ندائے حسن کے سالانہ خریداروں سے گزارش

یہ بات آپ کے علم میں ہے کہ ماہنامہ ''ندائے حسن چارسدہ'' کی اشاعت خالص تبلیغی اور اصلاحی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ کوئی اور کاروباری مفاد اس کی اشاعت سے مطلوب نہیں۔ چنانچہ مہنگائی کے باوجود 56 صفحات پر مشتمل اس رسالے کی قیمت انتہائی کم (فی شمارہ 30 روپے اور سالانہ خریداری صرف 300 روپے) ہے۔

افادۂ عام کی خاطر ہم ''ماہنامہ ندائے حسن'' کے ذریعے بیش بہا قیمتی مضامین شائع کرتے ہیں، اگر تمام سالانہ خریدار اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے بروقت اپنی سالانہ رقوم بذریعہ ڈاک یا اکاؤنٹ جامعہ حسن چارسدہ کو بھیج دیں تو وہ بھی ہماری ان تبلیغی کوششوں میں معاون ثابت ہوں گی۔

یاد رکھیے! سالانہ قیمت کی بروقت عدم وصولی سے ادارے پر مالی بوجھ بڑھتا ہے۔ لہذا سالانہ خریداروں سے گزارش ہے کہ خریداری کی مدت ختم ہوتے ہی سالانہ قیمت کی ادائیگی کا اہتمام فرمادیا کریں۔ ہر ماہ لفافے پر چسپاں پتے کے ساتھ خریداری مدت کے ختم ہونے کی تاریخ بھی دی جاتی ہے تاکہ یاددہانی ہوسکے۔ (ملاحظہ: سالانہ خریداری کی رقم اس ایزی پیسہ اکاؤنٹ کے ذریعے بھی بھجواسکتے ہیں: 0310-9014616)

﴿حالاتِ حاضرہ﴾

زمانہ آج بھی کسی مجدد کی تلاش میں ہے!

مفتی محمد اسماعیل نیاز

اللہ عزوجل نے انسان کی رشد و ہدایت کے لیے کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے، انبیاء کرام کی تشریف آوری کا یہ مقدس سلسلہ خاتم الانبیاء جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوا، آپ کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ اللہ کے آخری نبی، قرآن اللہ کی آخری کتاب اور اسلام آخری شریعت ہے۔ اور ﴿**إن الدين عند الله الاسلام**﴾ آخری دین اور اٹل مذہب ہے، اس دین کے عالمگیر ہونے میں کوئی شک نہیں، دین اسلام کو جو زمانہ عطا کیا گیا ہے، وہ بہت ہی نازک، پر آشوب اور تغیرات و انقلابات سے بھرپور ہے۔ اس کے حالات میں جتنا تنوع ہے، وہ تاریخ کے کسی گزشتہ دور میں نظر نہیں آتا۔ چونکہ اس دین کی حیثیت عالمی ہے، لہٰذا یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ اس دین کو مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے واسطہ پڑے گا، جن کی تہذیب وتمدن، رہن سہن کا طریقہ اور کمالات وامتیازات ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہیں، اس امت کو ایسی کشمکش کا مقابلہ کرنا ہوگا جو کسی دوسری امت کو دنیا کی تاریخ میں کبھی پیش نہیں آئی۔

اگر اسلام کی آمد سے قبل تاریخ ادیان پر ایک نظر دوڑائی جائے تو سابقہ مذاہب میں سے کوئی بھی مذہب اپنی اصلی روش اور اپنے عقائد ونظریات پر برقرار نہ رہ سکا، وہ مذہب چاہے سماوی ہو یعنی یہودیت یا عیسائیت ہو یا غیر سماوی مذاہب میں سے ہندومت اور بدھ مت کے تغیرات واصلاحات ہوں، اپنا وزن برقرار نہ رکھ سکے اور ایک دوسرے میں خلط ملط ہو کر وثنیت اور بت پرستی کی شکل اختیار کر لی۔

یہ قابل غور بات ہے کہ موجودہ زمانے کے مقابلے میں اسلام کی آمد سے پہلے کا زمانہ نہ ہی اتنا پُر از تغیرات وانقلابات تھا اور نہ ہی ان کی راہ میں وہ پہاڑ حائل ہوئے جو اسلام کی اشاعت وارتقا کی راہ میں حائل ہوں، لہٰذا یہ ضروری تھا کہ اسلام میں ایسی خوبیاں اور کمالات رکھے جائیں، جس سے وہ ماحول کے اثرات کا مقابلہ کر سکے اور زمان ومکان کی تبدیلیوں سے عہدہ برآ ہو سکے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے دو

انتظامات فرمائے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو انتظامات:

1:.....ایک تو یہ کہ اس نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو ایسی کامل ومکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو ہر کشمکش اور تبدیلی کا با آسانی مقابلہ کرسکتی ہیں اور ان میں ہر زمانے کے مسائل ومشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

2:.....دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر دور میں اس کی ضرورت ونزاکت کے لحاظ سے ایسے اولوالعزم قائدین، ربانیین اور اللہ والے بندوں کو پیدا فرماتا رہا ہے، جنہوں نے ڈٹ کر اپنے زمانے کے اوہام وخرافات اور بدعات ورسومات کا مقابلہ کرکے ان کا قلع قمع کیا ہے اور اسلام کی اصل روح کو سامنے لانے کا کام انجام دیا ہے۔

تاریخ اور سیرت طیبہ سے یہ بات عیاں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال ظاہری کے بعد تبلیغ واشاعت کی ذمہ داری صحابہ کرام پہ آئی، جسے انہوں نے بحسن وخوبی نبھایا اور عرب سے عجم تک دین اسلام کا پرچم بلند کیا۔ اس کے بعد شجرۂ اسلام کی آبیاری کا فریضہ علمائے اسلام نے نبھایا۔

شیطان اور دشمنانِ اسلام کی ہمیشہ کوشش رہتی ہے کہ دین اسلام کی مقدس تعلیمات کو مسخ کر دیا جائے، لہٰذا مسلمانوں کے درمیان بدعت، بدعقیدگی اور گمراہی پھیلاتے ہیں، رفتہ رفتہ یہ بدعات جن کا اسلام سے کچھ لینا دینا نہیں، مسلمانوں میں گھس جاتی ہیں اور وہ اصل تعلیمات نبوی سے دور ہوجاتے ہیں۔ ایسے پرفتن دور میں اللہ عزوجل کسی مجدّد کو بھیجتا ہے، جو ان تمام بدعات وخرافات اور بدعقیدگی کا خاتمہ کرکے دین اسلام کو صاف وشفاف کرتا ہے۔ دھیان رہے کہ مجدّد سے مراد کوئی فرد واحد نہیں، بلکہ مجدّد ایک پوری جماعت، کوئی علمی ومذہبی مجلس یا کوئی بادشاہ وغیرہ بھی ہوسکتا ہے۔

مجدّد کی تعریف:

علامہ وحید الزماں صاحب نے القاموس الوحید میں یہ تعریف ذکر کی ہے:

ہر صدی کے اوائل میں پیدا ہونے والا وہ مصلح جو مسلمانوں میں مروّج بدعات کی اصلاح کرتا ہے، اس کو مجدّد کہتے ہیں۔ (القاموس الوحید)

گویا اس کی تشریح یوں ہے کہ مجدد وہ شخص ہوتا ہے، جو ایسے کام کرتا ہے جن کی امت کو شدید ضرورت

ہوتی ہے، بدعات کا قلع قمع کرتا ہے، سنت نبوی پر مشتمل بھلائی گئی تعلیمات کو اپنے قول وفعل سے زندہ کرتا ہے اور اسلام کا حقیقی اور روشن چہرہ دنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔

تجدید دین کا مطلب:

تجدیدِ دین سے مراد یہ ہے کہ دین کو اس حالت میں لوٹا دینا جس حالت میں وہ عہد نبوی میں تھا۔ اس عہد میں اسلام ہر لحاظ سے کامل ومکمل اور خالص ومُخلَص تھا، پھر اس میں کچھ نقائص اور بدعات داخل ہونے لگیں، چنانچہ مجددین حضرات اسلام کو ان تمام نقائص وبدعات سے پاک کر کے اسے حقیقی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

اقوال علماء:

چونکہ تجدید کی اصطلاح، حدیث نبوی سے اخذ کی گئی ہے، جس کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

" إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا ". (سنن أبي داؤد، كتاب الملاحم، باب مَا يُذْكَرُ فِي قَرْنِ الْمِائَةِ)

یقیناً اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو ان کے لیے ان کا دین تازہ کرے گا۔

اس لیے حدیث کی جن کتابوں میں مذکورہ حدیث موجود ہے، وہاں تجدید سے متعلق علما کی بہت سی آراء کو ذکر کیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں سنن ابی داؤد اور اس کی شروحات، اور امام سیوطی کی الجامع الصغیر وغیرہ سرفہرست ہیں۔ مزید یہ کہ تجدید کے متعلق علما کے بہت سے اقوال ونظریات ہیں جو احادیث کی کتابوں اور ان کی شروحات اور تراجم وطبقات کی کتابوں میں مذکور ہیں۔

مجدّد کی تعیین:

کسی کے مجدد ہونے کا عام لوگوں کو تو علم نہیں ہوتا، بلکہ اُمت کے خواص، اولیاء اللہ، صلحاء واتقیاء اور علم وعمل میں پختہ لوگ ہی اس کا اندازہ لگا سکتے ہیں، وہ جس شخصیت کی خدمات کو تجدیدی خدمات قرار دیں تو وہ مجدد کہلاتا ہے۔

مجدد کی ذات سے فائدہ:

دین کی فکر رکھنے والوں کو ہی مجدد کی ذات سے فائدہ پہنچتا ہے، ورنہ جن کو اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر نہیں ہوتی، ان کو مجدد زمانہ کے ہوتے ہوئے بھی کوئی دینی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ لہذا ہمیں اپنے اعمال کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، انہیں قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اسلام اور فکری یلغار کا مقابلہ:

اسلام نے نہ صرف فکری یلغاروں کا مقابلہ کیا، بلکہ مشرکین، صلیبیوں اور تاتاریوں وچنگیزیوں کے عسکری حملوں کو بھی سہا۔ دوسرا مذہب ہوتا تو کب کا مٹ چکا ہوتا۔ مزید یہ کہ اسلام کی فتحیابی کی ایک بنیادی وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو قیامت تک باقی رکھنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر دور میں شخصیات پیدا کیں، جنہوں نے اسلام کے آئینے سے باطل کے گرد کو صاف کیا اور اسلامی تاریخ کے کسی مرحلے میں ایسا نہیں ہوا کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات پر پردہ پڑ گیا ہو اور اس کی حقیقی دعوت رک گئی ہو۔ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جب کبھی اسلام کے لیے کوئی فتنہ نمودار ہوا اور اس کی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے ذریعے اس فتنے کا قلع قمع کر دیا۔ چنانچہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے دور کے بعد جب اسلام کی بعض تعلیمات مٹنے لگی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے کئی شخصیات پیدا کر دیں۔ ان میں عمر بن عبدالعزیز، حسن بصری اور فقہا ومحدثین کی جماعت خاص طور سے قابل ذکر ہے۔ پھر معتزلہ نے دین میں تحریف کے لیے عقلی دلائل کا طوفان کھڑا کیا تو اس کے مقابلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے امام احمد بن حنبل، ابوالحسن اشعری اور امام غزالی کو پیدا کیا۔ اور جب دین کی بعض دوسری تعلیمات پر جمود وتعطل کا رنگ چڑھنے لگا تو اس کے ازالے کے لیے شیخ عبدالقادر جیلانی اور علامہ ابن الجوزی کی شخصیات نمودار ہوئیں۔ اسلامی دنیا پر صلیبی تسلط وغلبہ کو روکنے کے لیے نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی کو پیدا کیا۔ اسی طرح شیخ الاسلام عزالدین بن عبدالسلام اور مولانا جلال الدین رومی نے اپنے زمانے کے باطل افکار کا مقابلہ کیا۔ شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ اپنے زمانے کے مجدد کامل گزرے ہیں، جنہوں نے بیک وقت جہاد بالقلم والسیف کیا اور اسلام کی تجدید فرمائی۔ خواجہ معین الدین چشتی، شیخ احمد سرہندی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید وغیرہم اشخاص تجدید دین کے وہ روشن ستارے ہیں، جن کی چمک نے لوگوں کو اصل دین

کی راہ دکھائی ہے۔عصر حاضر میں خاص طور سے ہندوستان میں علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، مولانا ابو الحسن علی ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا قاسم نانوتوی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا محمد الیاس، مولانا زکریا، اور مولانا علی میاں ندوی وغیرہم کی کاوشیں اسی تجدید کا تسلسل ہیں جس کی بنا اسلاف نے ڈالی ہے۔

فکری نشاط ثانیہ کا تاریخی تسلسل..... رواں صدی تک :

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی طرف سب سے پہلا قدم حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (1564ء تا 1624ء) نے اٹھایا۔سب سے پہلے اس خطاب یعنی ''مجدد الف ثانی'' کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔''الف'' عربی میں ہزار کو کہتے ہیں۔''الف ثانی''یعنی دوسرا ہزاریہ۔مطلب یہ ہوا کہ اسلام کو ہزار سال گزرنے کے بعد جو دوسرا ہزاریہ شروع ہوا تھا، مجدد صاحب دسویں صدی ہجری کے آخر میں پیدا ہوئے اور ان کی محنت کا دورانیہ گیارہوں صدی کے پہلے تین عشرے ہیں (وفات ۱۰۳۴ ہجری ہے)۔

حضرت مجدد صاحب صدی کے مجدد تھے، لیکن انہیں ہزار سال کا مجدد کہا جاتا ہے یعنی دوسرے ہزار سال کے مجدد۔اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔دراصل مغل اعظم یا اکبر اعظم کو کچھ درباری نام نہاد عالموں نے ایک مخلوط دین (دین الٰہی) ایجاد کرنے کی بنا پر اگلے ہزار سال کے لیے مجتہدِ اعظم کا خطاب دیا تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ یہ نیا مخلوط دین اگلے ہزار سال تک خوب چلے گا۔اس لیے اس کے جواب میں مجدد صاحب کو بھی ہزار سال کا مجدد کہا گیا۔

آپ نے اسلام کے اِحیاء وفروغ اور سربلندی کے لیے وہ کارنامے سرانجام دیئے، جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شہنشاہِ اکبر کے نام نہاد دین الٰہی کو بنیادوں سے اکھیڑ کر شریعت و طریقت پر پڑنے والی گرد کو صاف کر دیا۔آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اس فکری کاوش کا ہی نتیجہ تھا کہ اس عہد کے جملہ سیاسی، معاشرتی اور مذہبی مسائل بخوبی حل ہو گئے اور مسلمانوں کا بحیثیت قوم تشخص واضح ہو گیا۔

دین اکبری کے خلاف علم بغاوت:

آپ نے اکبر کے دین الٰہی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔انہیں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کرنی پڑیں، لیکن بدعات کا خاتمہ کیا اور اصلاح وتجدید کا ایسا بیج بویا، جس کا پھل آور درخت اورنگزیب عالمگیرؒ

کی صورت میں نمودار ہوا۔اس زمانے میں ان کے تجدیدی اور اصلاحی کارناموں کے نتیجے میں اکبر کا دین الٰہی اور اس کے اوہام وخرافات خس وخاشاک بن کر بہہ گئے۔

شاعر مشرق ڈاکٹر علامہ اقبال نے اس کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے: ؎

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ فلک مطلعِ انوار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کی گرمیٔ نفس سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

اسلامی تاریخ کے چند مجددین کے اسماء گرامی:

(۱).....حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ

(۲).....حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

(۳).....حضرت امام شافعی رحمہ اللہ

(۴).....حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

(۵).....حضرت امام غزالی رحمہ اللہ

(۶).....حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ

(۷).....حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمہ اللہ

(۸).....حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ

(۹).....حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ

یہ چند نام ہیں جنہوں نے تجدید کا کام کیا۔تاہم دین کے مختلف شعبوں کے اعتبار سے بھی علماء کرام نے مجددین کی تعداد ذکر کی ہے۔

اجتماعی تجدید دین:

زمانہ بدلتا رہتا ہے ﴿وتلک الایام نداولھا بین الناس﴾ وقت اور حالات کے تقاضوں کے تحت بعض علما نے محسوس کیا کہ موجودہ دور میں دین کی تجدید انفرادی اور شخصی کوششوں سے ممکن نہیں ہے۔چنانچہ انہوں نے بعض جماعتوں کی بنیاد رکھی اور مستقل تحریک کی بنیاد ڈالی۔جیسے مولانا محمد الیاسؒ نے تبلیغی جماعت کی

تشکیل کی اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے جماعت اسلامی کی بنیاد ڈالی۔ پہلے سے بھی بعض جماعتیں اور ادارے سرگرم عمل تھے۔ جیسے دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ۔ ان سب اداروں اور جماعتوں کے پیش نظر مختلف پہلوؤں سے اسلام کا احیاء اور اس کی تجدید ہی ہے۔ ان کے مقاصد، نصب العین اور خدمات کا جائزہ لیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہر جماعت وادارے نے احیاء اسلام کی کوششوں کو تقویت پہنچائی ہے گو کہ بعض جماعتوں نے اپنی سرگرمیوں کو دین کے جزوی مسائل تک محدود کر دیا ہے۔ بعض اداروں نے مسلکوں کی ترویج واشاعت کو اپنا نصب العین بنالیا ہے۔ مگر ان جماعتوں میں بعض جماعتیں ایسی بھی ہیں، جنہوں نے پورے دین پر عمل اور اس کا نفاذ اپنا نصب العین قرار دیا ہے اور اس کے لیے وہ جدوجہد کر رہی ہیں۔

عصر حاضر میں مجدد شناسی کی اھمیت:

رواں صدی آج مجدد کی دہلیز پہ گریہ کُناں ہے۔ قنوطیت کی ظلمت میں قندیلِ عرفاں کی متلاشی، ذہنی تہذیب اور روحانی تطہیر کی طالب، دستورِ جبر اور آئینِ استحصال کے خلاف سراپا احتجاج، منتظرِ مسیحا ہے۔ ایک ایسا مسیحا جس کی تشخیص ہمہ جہت اور مسیحائی لقمانی ہو۔ جو عقل وعشق کے امتزاج، تعقل وجذبات کے اتصال اور صورِ اسرافیل کے آہنگ سے ذہنی جمود وتعطل پر ضربِ کاری لگائے، جو ولولوں کو ابھارے، ظلم کو للکارے، سیاسی شعور کی بیداری کے لیے علمِ حسینیت اٹھائے اور مردہ دلوں میں خونِ زندگی دوڑا کر اپنے منصبِ تجدید کا حق ادا کرتے ہوئے کتابِ ملتِ بیضاء کی پھر شیرازہ بندی کرے، جو مادی اقدار کی بلندی سے مرعوب ذہنوں کو عظمتِ رفتہ کی یاد دلائے، جو نسلِ نو کو ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زلفوں کا اثیر بنانے کے لیے ''حسنِ سراپائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اِس انداز سے بیان کرے کہ دل زمانی ومکانی قید سے نکل کر سوئے گنبدِ خضراء متوجہ ہو جائے۔ جو نہ صرف ''حقیقتِ تصوف'' واضح کرے، بلکہ سالکین وتائبین کو ''سلوک وتصوف کا عملی دستور'' بھی دے سکے، جو معرفتِ کلامِ الٰہی کے لیے امت کو ''عرفان القرآن'' دے اور فہمِ حدیث کے لیے ایسا سیدھا راستہ متعین کرے جو واقعتاً ''المنہاج السوی'' ہو، فنِ حدیث پر اس کا درک وکمال دیکھ اسلاف کی یاد تازہ ہو جائے۔ جو سسکتی تڑپتی بے منزل وبے راہ امت کو منزل آشنا کرنے کے لیے بھرپور علاج تجویز کرے، کیونکہ اب عمومی اور روایتی طرزِ علاج سے بہتری کی جملہ راہیں مسدود ہو چکی ہیں۔ ہمارا زوال مکمل ہو چکا ہے اور ذلت منتہائے کمال پر پہنچ چکی ہے۔

زمانہ آج بھی مجدد کی تلاش میں ہے :

آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل علم و دانش اور صاحبان قلم و قرطاس حضرت مجدد کی دی ہوئی اس فکر کو آگے بڑھائیں۔ جس طرح حضرت مجدد الف ثانی نے حضورؐ کی ذات اور سنت سے عشق و محبت کا درس دے کر امت کی ناؤ ڈوبنے سے بچائی، آج بھی مصلحین امت کی یہ ذمہ داری ہے کہ امت کی ہچکولے کھاتی ہوئی اس کشتی کو ڈوبنے سے بچائیں اور یہ بات علی وجہ البصیرت کہی جاسکتی ہے کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی کے افکار کی روشنی میں قدم آگے بڑھائے جائیں تو مذکورہ امور میں کامیابی سہل اور ممکن ہے۔

تجدید دین میں مجدد الف ثانی کا طرز عمل:

اول: یہ کہ دیکھا جائے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے اصلاح امت کے لیے امت کی کشتی کا رخ کس طرف موڑا اور اس کے لیے کیا طریق کار اختیار کیا۔ جہاں تک رخ موڑنے کی بات ہے تو آپ نے تمام تر باطل نظریات اور ان کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے قبیح اعمال کے مقابل سنتِ رسولؐ کو پیش کیا۔

دوم: مسائل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید کو راہ نجات قرار دیا۔

سوم: متصوفین کے لیے سنت رسولؐ، اعمال صحابہ و تابعین کو بطور نمونہ پیش کیا۔

چہارم: طریق کار میں آپ کا بنیادی فلسفہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے مصلحت نام کی کسی چیز کو قبول نہیں کیا یوں کہ مصلحت جواز پیدا کرتی ہے۔ بقول اقبال:

اگر مصلحت اندیش ہو عقل عشق ہو مصلحت اندیش، تو ہے خام ابھی

پنجم: تبلیغ کے طریق میں آپ نے اس دور کے تقاضوں کو اختیار کیا جس نے عظیم انقلاب برپا کیا۔

ششم: مزید یہ کہ آپ نے راسخ العقیدہ اور مخلص القلوب لوگوں کی ایک مضبوط جماعت تیار کی، جنہوں نے آپ کی زندگی میں اور مابعد بھی آپ کی شروع کردہ تحریک کو جاری رکھا۔

حضرت شیخ مجدد کے جملہ کارناموں کو اگر ایک جملے میں بیان کرنا مقصود ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی تحریک احیائے دین کے ذریعے امت مسلمہ کے اسلامی تشخص کو بحال کیا، جسے آپ کے خلفاء و متعلقین نے بعد میں بھی جاری رکھا۔

ھماری ذمہ داری:

اب ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ عصر حاضر میں جو مجدد شناس حضرات موجود ہیں، انہیں سرمایہ غنیمت سمجھتے ہوئے ان کی رہنمائی میں مجددی تعلیمات وافکار کو امت کے اہل علم پر پیش کیا جائے، تا کہ وہ ان تعلیمات کو عوام تک پہنچانے کا ذریعہ بن سکیں۔ دیگر یہ کہ تمام تر ذرائع کو استعمال کرتے ہوئے واعظین، خطبا اور مبلغین کی تربیتی ورکشاپیں منعقد کی جائیں۔ خانقاہوں اور مدارس خصوصاً جو نقشبندی سلسلہ سے متعلق ہیں، وہاں پر مکتوبات امام ربانی کے دروس کا اہتمام منظم طریق سے کیا جائے۔

اکیسویں صدی کے آغاز میں درپیش چیلنج:

اکیسویں صدی کے شروع ہی سے دشمنانِ اسلام، اسلام پر فکری یلغار کے ساتھ مسلمانوں پر عسکری طور پر بھی حملہ آور ہوئے ہیں۔ چنانچہ اس وقت پوری دنیا میں اسلام پسند مسلمان جو اپنے دین کا احیاء اور اس کی تجدید کی خواہش رکھتے ہیں، دشمنوں کے نرغے میں آچکے ہیں۔ ایسی صورت حال میں امت مسلمہ کی ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں اور اس کی ضرورت شدید تر ہو جاتی ہے کہ مسلمان صحیح دین پر قائم رہیں اور ایسے اعمال و رسوم ورواج کو ترک کر دیں جو دین کے منافی ہیں اور جن کی قرآن وحدیث میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ مزید یہ کہ جس طرح دشمنان اسلام "الکفر ملة واحدة" بن کر اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہیں، اسی طرح مسلمان "بنیان مرصوص" بن کر ان کا مقابلہ کریں، اور دین کو دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ قرار دیں۔

اگر ہم اپنے زمانے کا جائزہ لیں تو شاید یہ دور بھی کسی مجدد الف ثانی کی تلاش میں ہے، جو اس زمانے میں پیدا شدہ باطل رسم ورواج کا مقابلہ کر سکے، لیکن عجیب بات ہے کہ اس نے اس زمانہ کے لیے ہمیں منتخب کیا ہے تو یقیناً اس نے ہمارے اندر اس زمانہ کے چیلنجز کا مقابلہ کرنے کی طاقت وقوت بھی رکھی ہوگی، تو آیئے! کیوں نہ ہم اپنے اندر کی پوشیدہ صلاحیتوں کو تلاش کریں اور خود کو زمانہ کے تقاضوں کے مطابق بھرپور طریقے سے تیار کریں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ہمارا رب سے رشتہ مضبوط ہو جائے اور یہ رشتہ اس وقت تک مستحکم نہیں ہو سکتا جب تک ہماری زندگی قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھل نہ جائے۔

زمانۂ ماضی میں ملت اسلامیہ میں پیدا ہونے والے مصلحین ومجددین تعلیمی میدان میں مضبوط ومستحکم ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی اعتبار سے تزکیہ وسلوک کے اعلیٰ مدارج پر قائم تھے، اس اعتبار سے ہمارے اوپر یہ لازم آتا ہے کہ علومِ نبویہ میں ملکہ تام پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ روحانی اعتبار سے اللہ سے اتنا تعلق پیدا

ہوجائے کہ سحر کے وقت جب ہمارا ہاتھ ربِ ذوالجلال کے سامنے اٹھے تو اشک کا سیل رواں جاری ہوجائے، کیونکہ ؎

عطّار ہو رومی ہو، رازی ہو غزالی ہو　　کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

تب ممکن ہے کہ اس زمانے میں اللہ تعالیٰ ہم سے کچھ کام لے اور حالات کا رخ بدلے اور ایک بار پھر چہار دانگ عالم میں اللہ کا کلمہ گونج اٹھے۔ ؎

اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے　　مشرق ومغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

دعامیں عجلت طلبی کی ممانعت

عن أبي هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ : يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَالَمْ يُعَجِّلْ فَيَقُوْلُ قَدْ دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِيْ.(رواه البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہاری دعائیں اس وقت تک قابلِ قبول ہوتی ہیں، جب تک کہ جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔(جلد بازی یہ ہے) کہ بندہ کہنے لگے کہ میں نے دعا کی تھی مگر وہ قبول ہی نہیں ہوئی۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو دیتا ہے ،اس لیے چاہیے کہ بندہ ہمیشہ اس کے در کا فقیر بنا رہے اور مانگتا رہے، یقین کرے کہ ''ارحم الرحمین '' کی رحمت دیر سویر ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگی۔کبھی کبھی بہت سے بندوں کی دعا۔۔۔جو وہ بڑے اخلاص واضطرار سے کرتے ہیں۔۔۔اس لیے بھی جلدی قبول نہیں کی جاتی کہ اس دعا کا تسلسل ان کے لیے ترقی اور تقرب الی اللہ کا خاص ذریعہ ہوتا ہے، اگر ان کی منشا کے مطابق ان کی دعا جلدی قبول کرلی جائے تو اس عظیم نعمت سے وہ محروم رہ جائیں۔(معارف الحدیث، حصہ پنجم)

﴿درس قرآن﴾

خلع اور تین طلاقوں کا بیان

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

أعوذ بالله من الشيطٰن الرجيم. بسم الله الرحمٰن الرحيم . قال الله تعالى:

﴿ فَإِنْ طَلَّقَهَافَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًاغَيْرَهٗ ﴾(البقرة : ٢٣٠)

ترجمہ: پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق دیدے تو وہ (مطلقہ عورت) اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی، جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے۔

تمہید:

﴿الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ میں دو طلاقوں کا ذکر ہے اور ﴿فَإِن طَلَّقَهَافَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدُ ﴾ میں تیسری طلاق کا ذکر ہے۔ چنانچہ تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ کسی دوسری جگہ شادی کرلے اور وہ دوسرا شوہر دخول کے بعد اس کو طلاق دیدے یا مرجائے تو پھر عدت گذرنے کے بعد یہی عورت پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے۔

تشریح:

کل میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ﴾ (کہ طلاق دو مرتبہ ہے) یہ طلاق رجعی کا ذکر ہے۔ یعنی ایک شخص اپنی بیوی کو ایک صریح طلاق دیدے تو اس سے اس عورت پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر دو صریح طلاق دیدے تو دو طلاقِ رجعی واقع ہوجاتی ہیں۔ دونوں صورتوں میں یہ شخص عدت کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے، اگر رجوع کرے گا تو طلاق کا اثر زائل ہوجائے گا (یعنی تجدیدِ نکاح کی ضرورت نہیں)۔ البتہ پھر شوہر کے پاس صرف ایک طلاق کا اختیار رہے گا۔ چنانچہ اگر اس کے بعد ایک اور طلاق بھی دے دے تو وہ عورت اس پر حرمتِ غلیظہ کے ساتھ حرام ہوجائے گی اور بغیر حلالہ کے دوبارہ اس

کے ساتھ نکاح حرام ہوگا۔

اب یہاں تین صورتیں ہیں:

(۱).....ایک یہ کہ طلاقِ رجعی دی اور عدت کے اندر رجوع کیا۔(اس کا حکم گذر گیا)۔

(۲).....دوسرا یہ کہ طلاقِ رجعی دی اور عدت گزر گئی تو اب یہ طلاقِ بائن ہوگی اور طلاقِ بائن میں تجدیدِ نکاح کی ضروری ہے۔(ماقبل دونوں اُس وقت ہیں جب تین طلاق تک نوبت نہ پہنچی ہو)۔

(۳).....تیسرا یہ کہ جب تیسری طلاق دیدی تو پھر وہ مغلظہ ہوجائے گی اور اس صورت میں نہ رجوع کارآمد ہے اور نہ تجدیدِ نکاح، جب تک حلالہ (جس کا طریقہ اوپر مذکور ہوا) نہ کیا ہو۔

خلع:

خلع کا معنی ہے نکلنا، یعنی نکاح سے نکلنا۔ چونکہ انسانوں کی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں، اس لیے بعض اوقات بیوی اپنے شوہر کے پاس مزید رہنا نہیں چاہتی اور شوہر طلاق نہیں دینا چاہتا تو اس کے لیے شریعت نے یہ راستہ بتایا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کو مال (مہر وغیرہ) دیدے اور شوہر اس کے عوض اس کو طلاق دیدے۔ تو اس کا نام خلع ہے۔ خلع ایک طلاقِ بائن ہوتی ہے اور طلاقِ بائن سے عورت نکاح سے نکل جاتی ہے۔

نیز ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ شوہر مہر سے زیادہ مال کا مطالبہ کرسکتا ہے یا نہیں؟ تو امام شافعیؒ فرتے ہیں کہ کرسکتا ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مہر سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرسکتا۔

تین طلاقوں کا مسئلہ :

شیخ الاسلام علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا ہے:

" قال الشافعيؒ ومالك وأبو حنيفة وأحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث، وقال الطاؤس وبعض أهل الظاهر لا يقع بذلك إلا وحده.(النووي، شرح مسلم :١/٤٧٨)

ائمہ اربعہ اور سلف وخلف کے جماہیر علما نے فرمایا ہے کہ (تین طلاق دینے سے) تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں اور طاؤس اور بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ اس سے ایک ہی طلاق واقع ہوتی ہے۔

اہل ظاہر اور غیر مقلدین (جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے ہیں) نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کو دلیل بنالیا ہے۔ صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے جو کہ درج ذیل ہے:

"عن ابن عباسؓ قال: كان الطلاق على عهد رسول الله ﷺ وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاقُ الثلاث واحدةً". (صحيح مسلم: ١/٤٧٧)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں طلاق کا طریقہ یہ تھا کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا۔

اس وجہ سے جب کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیتا ہے اور پھر دارالافتا میں جاتا ہے اور وہاں سے اس کو تین طلاقوں کے وقوع کا فتوی دیا جاتا ہے تو پھر یہی شخص غیر مقلدین کے پاس جاتا ہے، چنانچہ وہاں سے اس کو یہ جواب ملتا ہے کہ یہ ایک طلاق ہے۔

دیکھیں! یہ حلت وحرمت کا مسئلہ ہے، اس میں ضد سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جبکہ جمہور کے پاس حرمت پر دلائل بھی موجود ہیں۔

جمہور کی دلائل:

آپ ﷺ کا عہدِ مبارک چونکہ دیانت وصداقت کا دور تھا۔ تو لوگ تین دفعہ اس طرح "انت طالق، انت طالق، انت طالق" کہتے اور نیت ایک طلاق دینے کی ہوتی تھی، باقی دو طلاق صرف تاکید کے لیے کہتے تھے۔ تو آپ ﷺ اس کے حلفی بیان کی تصدیق فرمادیتے اور اس کو ایک طلاق قرار دیتے تھے۔

صدیق اکبرؓ کے عہد اور فاروق اعظمؓ کے ابتدائی دَور میں دو سال تک یہی طریقہ جاری رہا، پھر حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں یہ محسوس کیا کہ اب صدق ودیانت کا معیار گھٹ رہا ہے اور آئندہ حدیث کی پیشگوئی کے مطابق اور گھٹ جائے گا، دوسری طرف ایسے واقعات کی کثرت ہوگئی کہ تین مرتبہ الفاظِ طلاق کہنے والے اپنی نیت صرف ایک طلاق کی بیان کرنے لگے تو یہ محسوس کیا گیا کہ اگر آئندہ اسی طرح طلاق دینے والے کی تصدیق کرکے ایک طلاق قرار دی جاتی رہی تو بعید نہیں کہ لوگ شریعت کی دی ہوئی اس سہولت کو بے جا استعمال کرنے لگیں اور بیوی کو واپس لینے کے لیے جھوٹ کہہ دیں کہ نیت ایک ہی کی تھی، فاروقِ اعظم کی

فراست اور انتظامِ دین میں دور بینی کو سبھی صحابہؓ نے درست سمجھ کر اتفاق کیا۔ (معارف القرآن، مفتی محمد شفیعؒ)

انہی حالات کے پیشِ نظر حضرت عمرؓ نے تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا ہے اور یہ اعلان حضرت عمرؓ نے فقہاء صحابہؓ کے مشورہ سے صحابہ وتابعین کے عام مجمع میں کیا اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ چنانچہ مسلم شریف میں حضرت عمرؓ کا قول ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے:

" فقال عمربن الخطاب : إن الناس قد استعجلوا فی أمر كانت لهم فيه أناةٌ فلو أمضينا عليهم فأمضاه عليهم ."(صحيح مسلم : ٤٧٧/١)

ترجمہ: تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ جلدی کرنے لگے ہیں ایک ایسے معاملہ میں جس میں اُن کے لیے مہلت تھی، تو مناسب رہے گا کہ ہم اس کو ان پر نافذ کردیں، تو آپ نے اُن پر نافذ کردیا۔

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں فرمایا:

"فَخاطب عمر بذلك الناس جميعا وفيهم أصحاب رسول الله ﷺ رضى الله عنهم الذين قد علموا ما تقدم من ذلك في زمن رسول الله ﷺ فلم ينكر عليه منهم منكر ولم يدفعه دافع". (شرح معاني الآثار)

ترجمہ: پس حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ لوگوں کو مخاطب فرمایا اور ان لوگوں میں رسول اللہ ﷺ کے وہ صحابہ بھی تھے، جن کو اس سے پہلے رسول کریم ﷺ کے زمانے کے طریقے کا علم تھا تو ان میں سے کسی انکار کرنے والے نے انکار نہیں کیا اور کسی رد کرنے والے نے اسے رد نہیں کیا۔

مذکورہ بالا اِجماع سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔

وضاحت :

ایک ہے غیر مدخول بہا (یعنی وہ عورت جس کے ساتھ شوہر نے ہمبستری یا خلوۃ صحیحہ نہ کی ہو) اور دوسرا ہے مدخول بہا یعنی جس عورت کے ساتھ شوہر نے ہم بستری کی ہو۔

اگر شوہر اپنی بیوی کو تین طلاق متفرق طور پر دیدیں یعنی اس طرح کہے کہ "انت طالق، انت طالق،

انت طالق‘‘ تو اگر عورت غیر مدخول بہا ہو تو اس سے بالاتفاق اُس پر ایک طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر عورت مدخول بہا ہو تو تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، لیکن اگر شوہر ایک ہی جملہ میں تین طلاق دیدے یعنی اس طرح کہے کہ ”انت طالق ثلاثاً“ تو اس سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، چاہے عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا۔

اب اس پہلی صورت میں تین طلاق دینے سے ایک کا واقع ہو جانا، یہ اسی صورت کے ساتھ خاص ہے، لہذا ہر جگہ اس سے یہی مطلب مراد لینا غلط ہوگا۔

خلاصۂ کلام:

ائمہ اربعہ اور سلف وخلف کے جماہیر علما سب اس پر متفق ہیں کہ (تین طلاق دینے سے) تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور تین طلاقوں کو ایک سمجھنا غلط ہے۔

نوٹ:

طلاقِ ثلاثہ چونکہ ایک نازک اور حلت وحرمت کا مسئلہ ہے، اس وجہ سے زیب قرطاس کیا گیا، ورنہ اختلاف عوام کے سامنے ذکر نہیں کیا جاتا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی وناصر ہو۔ آمین!

دن بدلتے رہتے ہیں

نصیر الدین اپنے اشعار میں کہتے ہیں:

لَا تَقْطَعَنَّ يَدَ الْإِحْسَانِ عَنْ أَحَدٍ ما دُمْتَ تَقْدِرُ فَالْأَيَّامُ تَارَاتُ

وَاشْكُرْ فَضِيلَةَ صُنْعِ اللّٰهِ إِذْ جَعَلَتْ إِلَيْكَ لَا لَكَ عِنْدَ النَّاسِ حَاجَاتُ

ترجمہ: (۱).....جب تک تو احسان کر سکتا ہے، کسی سے اپنا دستِ احسان کوتاہ مت کرو، کیونکہ دن بدلتے رہتے ہیں۔

(۲).....اللہ کی اس عظیم نعمت کا شکر ادا کر، کہ ضرورتیں تجھ سے پوری ہوتی ہیں، تجھے لوگوں کا حاجت مند نہیں بنایا۔ (لطائف ونوادر: ص:463)

﴿اسلامی زندگی﴾

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کا دورہ حدیث کے طلبہ کو چند اہم نصائح

تحریر: مولانا محمد عثمان

حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم نے دورۂ حدیث کے درس گاہ میں بخاری شریف کا آخری سبق پڑھایا، سبق کے بعد طلبہ کو چند نصیحتیں بھی فرمائیں، یہ نصائح نہ صرف دورۂ حدیث کے طلبہ، بلکہ دیگر درجات سے منسلک طلبہ کے لیے بھی نہایت مفید ہیں۔ افادۂ عامہ کے لیے ملاحظہ ہوں:

''آج میری آپ تمام طلباء کرام سے اس درسگاہ میں سبق کے حوالے سے آخری ملاقات ہے، جدائی کا وقت ہے، بس کچھ باتیں عرض کرتا ہوں۔ انہیں اپنی زندگی میں مضبوطی کے ساتھ تھام لیں، آپ تمام طلباء کرام نے رسمی طالبِ علمی کا مرحلہ مکمل کرلیا ہے، جب بھی آپ کسی نیک کام کی تکمیل کریں تو دو کام ضرور کریں:

اول: اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اس نیک کام کی قدر کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اس نیک کام کی توفیق عنایت کی۔

دوم: اس کام میں جو کوتاہیاں ہوئیں، ان پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں، نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ آپ نماز سے فارغ ہوتے تو آپ ﷺ تین مرتبہ استغفار پڑھتے تھے، تو گویا یہ تمام عبادات، نوافل، تلاوتیں، تدریس، تعلیم؛ یہ سب کام اللہ کی توفیق کی بنا پر ہوئے تو ان پر شکر اور ان میں کوتاہیوں پر اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔

خود کو فارغ التحصیل نہ سمجھیں:

اس کے بعد ایک اہم بات یہ ہے کہ خود کو کبھی فارغ التحصیل نہ سمجھیں، مجھے یہ لفظ بالکل پسند نہیں، خود کو ہمیشہ طالب علم سمجھیں اور تعلیم کے ساتھ منسلک رہیں، یہ جو درس نظامی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ میں اتنی استعداد پیدا کردی جائے کہ اب آپ علم کے صحیح معنوں میں طالب بن سکیں، گویا تحصیل علم سے رشتہ کبھی نہ توڑیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں طالب علم ہی بنا دے، بس ہمیشہ یہی دعا کیا کریں، کیونکہ علم تو ماں کی گود سے قبر تک حاصل کرنا چاہیے۔

اپنی زندگی شریعت کے مطابق گزاریں:

اس کے بعد سب سے اہم بات اب یہ ہے کہ آپ نے جو کچھ پڑھا، علوم پڑھے، اختلافات اور مذاہب پڑھے؛ یہ تمام چیزیں علم شرعی کی طرف لے جانے کا وسیلہ تو ہیں، لیکن مقصود نہیں، مقصود آپ کا ان علوم پر عمل ہے، شریعت پر عمل ہے کہ آپ انہیں پڑھ کر متبع سنت بنے ہیں یا نہیں؟ آپ کی زندگی میں کتنی تبدیلی آئی؟ کتنا عمل آپ کی زندگی میں آیا؟ روز قیامت آپ سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ معتزلہ کا مذہب کیا تھا، مفعول منصوب کیوں ہوتا ہے، آپ سے یہ سوال ضرور ہوگا کہ آپ کی زندگی میں عمل کتنا رہا ہے؟ اس لیے اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق بنادو اور خود کو سنت نبوی کے سانچے میں ڈھال دو۔

دنیاوی پیشہ اختیار کرنا:

سب سے اہم سوال کہ فراغت کے بعد دنیوی پیشوں کا اختیار کرنا؛ تو دیکھو میرے بھائیو! یہ دنیا ضروری تو ہے، لیکن مقصود نہیں ہے، اس کی مثال ایسے سمجھو کہ گھر میں بیت الخلا یعنی واش روم کی ضرورت تو ہے، لیکن گھر میں مقصود بیت الخلا نہیں ہے کہ سارا دن وہاں بیٹھے رہو اور اسے خوبصورت سے خوبصورت بناؤ تو دنیا کے امور بھی ایسے ہی ضروری تو ہیں، لیکن مقصود نہیں تو دنیا کو اپنا حاصل مقصود نہ بناؤ۔

اسلاف کی کتب کا مطالعہ:

ہمیشہ اپنے مطالعے میں اسلاف کی قربانیاں اور ان کے ملفوظات کو رکھو اور ہمیشہ اپنے اساتذہ کرام سے تعلق اور رہنمائی میں رہو۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

ملفوظاتِ امام مالکؒ

فرمایا: حکمت ایک نور ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے دل میں ڈال دیتا ہے۔

فرمایا: علم سے پہلے حلم (یعنی بردباری، غصہ پینا) سیکھو۔

فرمایا: کپڑوں کا صاف ستھرا ہونا، ہمت بلند تر ہونا اور شرافت کی باتوں کا خیال رکھنا علوم نبوت کا حصہ ہے۔

فرمایا: آدمی کا ایمان مکمل نہ ہوگا جب تک کہ اپنی زبان کی حفاظت نہ کرے۔

(ائمہ اربعہ کے دربار میں: 71)

﴿اسلامی زندگی﴾

صبر کیسے پیدا ہوتا ہے؟

(بتیسویں قسط)

مولانا ابو محمد حسان شاہ

مؤیداتِ صبر:

نماز عہدِ بندگی کی یاد:

نماز عہدِ عبودیت کی یاد ہے، جو صبر کو تقویت دیتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ﴾ (طٰہٰ:١٤)

ترجمہ: میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں نماز پڑھنا عہد بندگی کی یاد تازہ کرتی ہے۔ یہ آدمی کو بتاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ جو آزمائشوں میں اسی لیے ڈالا گیا ہے، تاکہ وہ اللہ سے اپنا تعلق جوڑے رکھے۔

آزمائشوں کی حکمتوں کا علم:

قرآن مجید نے آزمائشوں کے آنے کے جو اسباب بیان کیے، ان کے علم سے بھی آدمی کو صبر حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ان اسباب کے علم سے انسان کو تسلی مل جاتی ہے اور تسلی کی وجہ سے اُسے صبر آجاتا ہے۔ اس کے حصول کے لیے قرآن مجید کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ اسی طرح واقعاتِ انبیاءِ کرام اور واقعاتِ صحابہ کرام کا مستند ذرائع سے مطالعہ کرنا بھی فائدہ مند ہے۔

تکلیف کے وقت فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ تکلیف لانے والا اور اسے دور کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی تو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود نبی کریم ﷺ کو بھی جب کوئی اہم مرحلہ درپیش ہوتا تو آپ ﷺ نماز کا اہتمام فرماتے۔ چنانچہ مسند احمد اور ابوداؤد میں ہے:

"اِذَا حَزَبَهٗ اَمۡرٌ فَزِعَ اِلَی الصَّلٰوۃِ".

اقامت دین کی جد وجہد میں کامیابی کا انحصار صبر اور نماز پر ہے:

مشکلات اور مصائب کے وقت اپنے مؤقف پر جمے رہنا اور حوصلہ کو پست نہ ہونے دینا ایک نہایت اعلیٰ وصف ہے، جس کے بغیر نہ کسی کی زندگی سنورتی ہے اور نہ کسی قوم کی زندگی بنتی ہے۔ اسی طرح حق و باطل کی کشمکش میں باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے مذہب انسان کے عزم و حوصلہ کی تربیت اس طرح کرتا ہے کہ ایک طرف اس کی زندگی کے ہر مرحلہ کے لیے ایک موقفِ حق متعین کر دیتا ہے اور اس پر ڈٹ جانے کی تاکید کرتا ہے، جس کا نام صبر ہے۔ دوسری طرف اس کو نماز کے واسطے سے آسمان و زمین کی سب سے بڑی طاقت سے جوڑ کر اس کو زندگی کا یہ ملکوتی نصب العین دے دیتا ہے۔ گویا صبر اور نماز یہ دو ہتھیار ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حق و باطل کی کشمکش میں باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے دیے ہیں۔

نماز (بشرطیکہ صحیح نماز ہو) انسان کا خصوصی تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار کرتا ہے، جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہوتی ہے، جو زندگی کے ہر موڑ پر اس کے عزم و ثبات کا باعث اور ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں کہا گیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ (البقرۃ:۱۵۳)

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔

نماز اور صبر کوئی مرئی یعنی دکھائی دینے والی چیز نہیں کہ انسان ان سے مدد حاصل کرے، یہ تو غیر مرئی یعنی غیر محسوس چیزیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے ذریعے سے انسان کا اپنے رب کے ساتھ جو خصوصی ربط و تعلق پیدا ہوتا ہے، وہ قدم بقدم اس کی دستگیری و رہنمائی کرتا ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ کو رات کی تنہائی میں تہجد کی نماز پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ آپ ﷺ کے ذمے جو عظیم کام سونپا گیا تھا، اس میں آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی مدد کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ کہ یہ دونوں باہم ایک دوسرے کو غذا اور قوت بہم پہنچاتے ہیں۔ صبر سے نماز کو تقویت حاصل ہوتی ہے اور نماز سے صبر کو غذا اور قوت ملتی ہے۔ آپ غور سے قرآن کا مطالعہ کریں کہ جہاں جہاں نماز کا ذکر اقامتِ دین کے جدوجہد کے وسیلہ یا ہتھیار کی حیثیت سے ہوا ہے، وہاں اول تو اس کے ساتھ صبر کا ذکر ضرور ہوا ہے۔ ثانیاً صبر کا ذکر ہر جگہ نماز پر مقدم ہے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حق کو قائم کرنے اور باطل کو شکست دینے کے جدوجہد میں مقدم شئ جو مطلوب ہے، وہ مردانہ اقدام اور راہِ حق میں عزیمت و استقامت ہے۔ آدمی اگر اس جوہر کو نمایاں کرے اور ساتھ ہی نماز کا اہتمام کرے تو اس کے اس

جو ہر کو جلا ملتی ہے اور راہِ حق کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے اس کا سینہ کھلتا ہے اور اس کا دل ایمان و یقین سے لبریز ہوتا ہے اور جب لوگوں کی دل آزاری سے دل آزردہ ہو تو تم ان ناقدروں سے کٹ کر اپنے رب کے دامنِ رحمت میں گوشہ گیر ہو جایا کرو تو وہ خود تمہیں اپنی پناہ میں لے گا اور یہی نماز وہ ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے دامن میں گوشہ گیری کی راہ کھلتی ہے۔ اس کی ادائیگی سے ایک حصار کی طرح ہمارے گرد محافظ بن کر موجود رہتی ہے۔ جیسے ایک بچہ کسی خوفناک چیز سے ڈر کر اپنی ماں کی گود میں پناہ گیر ہو کر ساری دنیا کے خوف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ٹھیک ویسے ہی ایک بندہ اس یاد کے تازہ ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دامنِ رحمت میں چھپ کر سارے غم بھول جاتا ہے، طرح طرح کے حملوں سے اپنے آپ کو مامون خیال کرتا ہے۔

نماز قربِ الٰہی کا سبب ہے :

نماز خصوصاً تہجد اللہ تعالیٰ کی رحمت میں گوشہ گیری کی راہ ہموار کرتی ہے۔ یہ گوشہ گیری دراصل اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ایک پہلو ہے۔ نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ تقرب کا تعلق پیدا کرتی ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِب﴾ (العلق)

ترجمہ: سجدہ کرو اور اللہ کے قریب ہو جاؤ۔

یہ قربت اگرچہ غیر محسوس ہے اور ہم اس کی کیفیت و ماہیت کو سمجھ نہیں سکتے، لیکن یہ قرب یقیناً اللہ تعالیٰ کی پناہ کے لیے ایک استعارہ ہے۔ اس قرب کے معنی یہ ہے کہ نماز حصولِ صبر میں مدد کرتی ہے۔

حمد و تسبیح :

قرآنِ مجید میں نبی کریم ﷺ کو مشکلات کے وقت کئی بار حصولِ صبر کے لیے نماز کا حکم تسبیح و تحمید کے الفاظ میں دیا ہے۔ اختصار کے طور پر چند آیتیں ملاحظہ فرمائیں:

(۱)﴿فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا﴾ (طٰہٰ: ۱۳۰)

پس جو کچھ یہ لوگ کہتے ہیں، اس پر صبر کرو اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، سورج کے طلوع اور اس کے غروب سے پہلے۔

(۲)﴿ فَاصْبِرْعَلٰى مَايَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِرَبِّكَ﴾(ق:۳۹)

پس صبر کرو ان باتوں پر جو یہ کہتے ہیں اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو۔

(۳)﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ﴾ (الطور)

اور ثابت قدم رہو اپنے رب کے فیصلے تک۔ بے شک تم ہماری نگاہوں میں ہو اور اپنے رب کے حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو جس وقت تم اُٹھتے ہو۔

اگر چہ یہاں اس آیت میں نماز کا حکم دیا گیا ہے (عند بعض المفسرین)، مگر یہ بات واضح ہے کہ نماز کا یہ حکم اس کی دو خاصیتوں کو سامنے رکھ کر دیا گیا ہے۔

نماز کے یہ دو پہلو ایسے ہیں جو معنوی یا ذہنی اثرات رکھتے ہیں، اگر ہم نماز میں تسبیح و تحمید کو سوچ سمجھ کر اختیار کریں تو اس کے کچھ نتائج نکلتے ہیں۔ یہ نتائج ہمارے لیے صبر کرنے میں مدد و معاون ہیں۔

تقدیر پر ایمان :

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ (عبس)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کی تقدیر ٹھہرائی اور پھر اُسے اس کی تقدیر کے راستے پر چلا دیا۔

پس انسان کو جو مقام اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے، جو مال و دولت اسے حاصل ہوتی ہے حتی کہ "وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ" تقدیر کا لکھا ہوا فرمان بھی انسان کو ملا ہے۔

اس لیے نہ اسے غربت پر کڑھنا چاہیے اور نہ اپنی دولت و عزت پر نازاں ہونا چاہیے۔ یہ سب کچھ ایسا ہی ہے جیسے اچھی اور بری صورت والا ہونا، نہ اچھی صورت تکبر و غرور کی وجہ ہے اور نہ بری صورت مایوسیوں کا باعث، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے۔ آدمی کی شکل و صورت، اس کی صلاحیتیں، استعداد و عدم استعداد اور اس کا مال و دولت؛ سب کا تعلق اس کی قسمت ہے، نہ کہ اس کے ذاتی استحقاق اور اس کی قابلیت کا صلہ اور حق، اس لیے اس کا ہونا یا نہ ہونا منشائے الٰہی سے ہے۔ جس کا مقابلہ حوصلہ اور دانش مندی سے کرنا چاہیے۔

تقدیر کے لکھے ہوئے پر راضی ہونا :

یہ صابرین کا کام اور وظیفہ ہے کہ وہ تقدیر کے لکھے ہوئے پر رضا کا اظہار کرتے ہیں اور رضا بالقضا کا

اعلان کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو پانچ باتیں مجھ سے سیکھے اور خود بھی عمل کرے اور دوسروں تک ان باتوں کو پہنچائے اور عمل کرائے؟ سیدنا ابو ہریرہؓ نے فرمایا: یارسول اللہ ﷺ! میں یہ کام کرنے کو تیار ہوں۔ تو آپ ﷺ نے وہ پانچ باتیں حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے بیان فرمائیں، جن میں دوسرا فقرہ جو اس حدیث میں ارشاد فرمایا، وہ یہ ہے:

"وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ اَغْنَى النَّاسِ". (سنن ترمذي، كتاب الزهد، باب من اتقى المحارم فهو أعبد الناس، رقم: ٢٢٢٧، مسند أحمد، رقم: ٧٧٤٨)

یعنی اللہ نے تمہاری قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے، اس پر راضی ہو جاؤ، اگر تم راضی ہو جاؤ گے تو تم دنیا کے تمام لوگوں میں سب سے زیادہ غنی ہو جاؤ گے۔

لیکن یاد رہے کہ "غِنٰی" روپے، پیسے اور سامان کی کثرت سے نہیں ہوتا، بلکہ اصل میں "غِنٰی" نفس کا غِنٰی ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

"لَيسَ الغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ". (بخاري، كتاب الرقاق، رقم: ٥٩٤٥، مسلم، رقم: ١٧٤١، ترمذى، كتاب الزهد، رقم: ٢٢٩٥)

پس اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تقدیر پر قناعت اور رضامندی اختیار کرنی چاہیے اور جو کچھ مل رہا ہے، اس کو خوشی سے قبول کرنا چاہیے۔

رضا بالقضا میں تسلی اور صبر کا سامان ہے :

جناب شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ حقیقت میں اگر غور کیا جائے تو انسان کے پاس (رضا بالقضاء) تقدیر پر راضی ہونے کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے؟ اس لیے تمہارے ناراض ہونے سے وہ فیصلہ بدل نہیں سکتا، جو غم پیش آیا ہے تمہاری ناراضگی سے وہ غم دور نہیں ہو سکتا، بلکہ اس ناراضگی سے غم کی شدت اور تکلیف میں مزید اضافہ ہوگا۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو یہ نظر آئے گا کہ رضا بالقضا میں درحقیقت انسان کے لیے تسلی اور صبر واستقامت کا سامان ہے اور ایک مومن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو تسلی کا ذریعہ بنا دیا ہے۔

غم اور صدمہ کرنا "رضا بالقضاء" کے منافی نہیں:

اگر کوئی تکلیف دہ واقعہ پیش آئے یا کوئی غم یا صدمہ پیش آئے تو اس غم و تکلیف پر رونا صبر کے منافی اور گناہ نہیں، کیونکہ غم اور صدمہ کا اظہار الگ چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی ہونا الگ چیز ہے۔ اس لیے غم اور صدمہ بھی ہے اور اس غم اور صدمہ کی وجہ سے ہم رو بھی رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہیں، لیکن ساتھ ساتھ یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ برحق ہے، حکمت پر مبنی ہے۔

لہذا ''رضا'' سے مراد عقلی رضا ہے یعنی عقلی طور پر انسان یہ سمجھے کہ یہ فیصلہ صحیح ہے۔ پس انسان کی زندگی میں جب بھی کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے تو اس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ خیال کرتے ہوئے اس پر راضی رہنے کی فکر کرے۔ غم، صدمہ اور پریشانی ..... جو کہ تقدیری امور میں سے ہیں ..... کا یہی علاج ہے اور ایسا کرنے سے اس کو اعلیٰ درجہ کا صبر حاصل ہو جائے گا اور صبر اعلیٰ عبادت ہے اور ﴿**اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ**﴾ میں شامل ہو جائے گا۔ (جاری ہے.....)

اُسے اپنا حسن بھا گیا

منقول ہے کہ ایک بار سلیمان بن عبدالملک نماز کے ارادے سے حمام سے نکلا اور شیشہ دیکھنے لگا تو اپنا حسن و جمال اسے اچھا لگا اور بلاشبہ وہ حسین تھا، اپنے حسن سے متاثر ہو کر کہنے لگا: ''أنا الخَلِيفَةُ الشَّابُّ''. (میں نوعمر جوان خلیفہ ہوں) پھر اس کی ایک لونڈی اس کے پاس آئی تو اس نے اس سے کہا: میں تجھے کیسا لگ رہا ہوں؟ تو جواب میں لونڈی نے دو شعر پڑھے: ؎

ليس فيما بدا لنا فيك عيب	عابه الناس غير أنك فانٍ
أنت نعم المتاع لو كنت تبقىٰ	غير أن لا بقاء للإنسان

(۱).....لوگ جسے عیب سمجھتے ہیں، ایسا کوئی عیب ہمیں تجھ میں نظر نہیں آیا۔ صرف اتنی بات ہے کہ (ایک دن) تو فنا ہو جائے گا۔ (۲)..... بلاشبہ تو (دنیا کا) بہترین سامان ہے، کاش! تو ہمیشہ رہتا، لیکن (یہ بھی حقیقت ہے کہ) انسان کی قسمت میں بقا نہیں ہے۔

سلیمان بن عبدالملک جب جمعہ سے واپس لوٹا تو اُسے بخار ہو چکا تھا اور ایک رات بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ (لطائف ونوادر: ص: 39)

﴿اسلامی زندگی﴾

اپنی قبر کو جنت کا باغیچہ بنا لیجیے!!

مفتی شمس الحق

مولانا رومی رحمہ اللہ نے مثنوی شریف میں عجیب بات کہی ہے کہ انسان جب شکمِ مادر میں ہوتا ہے اور اس سے کہا جائے کہ جناب! آپ جس جگہ اطمینان سے رہ رہے ہیں، یہ تو بہت چھوٹی، گندی اور تاریک جگہ ہے اور اس کے باہر حقیقی دنیا ہے، جس میں چاند، ستاروں سے چمکتا ہوا آسمان، سبز چادر اُڑھے ہوئے وسیع وعریض زمین، بڑے بڑے سمندر، اونچے اونچے پہاڑ، عظیم جنگلات اور میلوں پھیلے ہوئے صحرا اور ریگستان ہیں۔ آپ عنقریب ادھر منتقل ہونے والے ہیں۔ تو یہ جواب میں کہے گا: واہ بھئی! تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو۔ تم جو کچھ کہہ رہے ہو، یہ تو رنگین خیالات اور تصورات ہیں اور بس۔

لیکن جب دنیا میں تشریف لا کر خود مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ واقعی یہ شخص مجھ سے حق اور سچ کہہ رہا تھا، لیکن جب دنیا میں اس کو لسان الغیب سے کہا جائے ''حضرت! آپ جس جگہ خوشیاں اڑا رہے ہیں، جس کو تم سب کچھ سمجھ رہے ہو اور جس کے ساتھ آپ کا دل اٹکا ہوا ہے، یہ حقیقی دنیا اور زندگی نہیں ہے، بلکہ حقیقی دنیا اور حیاتِ جاودانی اس کے بعد ہے۔ تو یہ پھر کندھا مار کر انکار کر کے کافر بن جاتا ہے یا ایمان لا کر ضعیف الاعمال مسلمان بن جاتا ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ کے مزار پر کیا ہی خوب اشعار لکھے گئے ہیں:

خوشا عمر دریغا کہ جاودانی نیست　　پس اعتماد برین پنج روز فانی نیست

اگر ممالکؔ روی زمین بدست آبری　　بہای مہلت یک روزہ زندگانی نیست

ترجمہ: زندگی کیا خوب چیز ہے، لیکن افسوس کہ ہمیشگی نہیں ہے۔ ایک دن ضرور جانا ہے، اس لیے اس پانچ فانی ایام پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔ اے مخاطب! اگر تمام روئے زمین کی بادشاہتیں تیرے ہاتھ آ جائیں تو پھر بھی یہ ایک دن مہلت (جب ملک الموت آ جائے) کی قیمت نہیں ہے۔

قرآن مجید کی تقریباً اٹھارہ (۱۸) آیات اور متعدد احادیث سے قبر کی زندگی اور عذاب ثابت ہے، ان آیات میں ایک یہ ہے:

﴿ النار يعر ضون عليها غدوّاً وعشيّاً ويو م تقوم الساعة أدخلوا آل فرعون أشدَّ العذاب ﴾ (سورة مؤمن : ٤٦)

ترجمہ: صبح وشام (مراد، دوام واستمرار ہے) فرعونی کفار کے سامنے دوزخ کی آگ لائی جائے گی اور قیامت کے روز فرشتوں سے کہا جائے گا کہ ان فرعونیوں کو سخت عذاب میں داخل کرو۔

(فائدہ: ''النار'' سے قبر کا عذاب، جبکہ '' اشدّ العذاب'' سے جہنم کی آگ مراد ہے۔) (هكذا قال ابن كثير والامام الرازي في التفسيرالكبيروالقرطبي والتفسيرات الأحمد ية)

ترمذی شریف میں حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إنما القبر روضة من رياض الجنة أوحفرة من حفرالنار."

ترجمہ: ''بے شک قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔''

انسان اگر دنیا سے اچھے اعمال کر کے گیا ہے تو اس کی قبر جنت کا ٹکڑا بن جاتا ہے، اس کو جنت کا لباس پہنا دیا جاتا ہے، جنت کا بستر بچھا دیا جاتا ہے، جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اس سے جنت کی خوشگوار ہوائیں اور خوشبوئیں آتی رہتی ہیں اور قبر اس کے لیے تاحدِ نگاہ کھول دی جاتی ہے۔ اس کے برخلاف اگر فاسق اور فاجر آدمی تھا تو اس کے لیے آگ کا بستر بچھا دیا جاتا ہے، آگ کا لباس پہنا دیا جاتا ہے، جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، جس سے دوزخ کی گرمی اور جلاتے جھلسانے والی ہوائیں اس کے پاس آتی رہتی ہیں اور قبر اس پر اتنی تنگ کر دی جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں۔ (أعاذنا الله منها)

آنے والی سچی حقیقتوں میں سے موت اور قبر ایک سچی حقیقت ہے۔ ہوشیار اور کامیاب آدمی وہ ہے جو اعمال صالحہ کی بدولت دائمی نعمتوں کا مستحق اور عذابوں سے محفوظ ہو جائے۔ بے وقوف اور ناکام وہ شخص ہے جو قبر وحشر کو پس پشت ڈال کر ناجائز خواہشات میں پڑ جائے۔

فقیہ ابواللیث رحمۃ اللہ نے ''تنبیہ الغافلین ص ۴۶'' میں وہ اعمال صالحہ جمع کیے ہیں، جن سے قبر جنت کا باغیچہ بن جاتا ہے اور وہ گناہ بھی لکھے ہیں، جن سے قبر جہنم کا بھیانک گڑھا بن جاتا ہے۔

قبر کو جنت کا باغیچہ بنانے والے اعمال :

۱۔نماز کی پابندی کرنا

۲۔صدقہ وخیرات کرنا

۳۔قرآن پاک کی تلاوت خاص کر ہر رات سورۃ الملک کی تلاوت کرنا

۴۔کثرت سے تسبیحات پڑھنا

تسبیحات یہ ہیں:

(۱)" سبحان اللّٰہ والحمدللّٰہ ولااِلہ الااللّٰہ و اللّٰہ اکبر ولاحول ولا قو ۃ الابا للّٰہ العلي العظیم". ان کو علاحدہ یعنی "سبحان اللّٰہ یا "الحمدللّٰہ "پڑھنا بھی منقول ہے۔

(۲) "سبحان الله وبحمده سبحان الله العظيم" .

ان کلمات کو ''باقیات صالحات'' بھی کہا جاتا ہے۔

وہ گناہ جن سے قبر جہنم کا گڑھا بنتی ہے :

۱۔جھوٹ بولنے سے

۲۔خیانت یعنی بے ایمانی کرنے سے

۳۔چغل خوری سے

۴۔پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچنے سے

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے اوامر پر عمل اور نواہی سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

ملفوظاتِ امام مالکؒ

فرمایا: جو دنیا سے اپنا دل ہٹالیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی زبان پر حکمت جاری فرمادیتے ہیں۔

(ائمہ اربعہ کے دربار میں:72)

﴿اسلامی زندگی﴾

انسانیت کا عروج

مولانا محمد سید کراچی

قال رسول الله ﷺ :" إنَّ فِي الْجَسَد مُضْغَةً إذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وإذا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ أَلَآ وَهِيَ الْقَلْبُ ".(بخاری ،کتاب الایمان)

محترم قارئین !اس دور میں انسان مادی ترقی کے اعتبار سے بام عروج پر پہنچ چکا ہے، ہر روز نت نئی ایجادات اور انکشافات اس کی واضح دلیل ہے۔ پہلے انسان روشنی کے لیے ترستے تھے، اب شہر شہر، کوچہ کوچہ روشنیوں سے جگمگا اٹھا ہے۔ جو سفر پہلے مہینوں اور دنوں میں طے ہوتا تھا، اب تیز رفتار سواریوں کی نعمت سے گھنٹوں اور منٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں لوگ پردیسی رشتہ داروں کی زیارت اور خیر وعافیت معلوم کرنے کے لیے ترستے تھے، اب گھر بیٹھے ان کی زیارت کر کے اپنے دل کی پیاس بجھا لیتے ہیں؛ غرض انسان نے اپنی راحت اور سکون کے لیے ہر قسم کے آلات کو ایجاد کیا، اللہ تعالی نے کیا خوب فرمایا:

﴿ویخلق مالا تعلمون﴾ (نحل : آیت ۸)

ترجمہ: اللہ تعالی ایسی چیزوں کو پیدا کرے گا جو تمہارے علم میں نہیں ہیں۔

لیکن ان تمام تر وسائل، سہولیات اور مصنوعات کے باوجود انسانیت حقیقی چین اور سکون سے عاری اور محروم نظر آ رہی ہے۔ کیا یہ وسائل اس کے سکون کے لیے کافی نہیں ہیں؟ کیا انسانوں نے اس راستے کے انتخاب میں غلطی تو نہیں کی؟ حقیقی امن وسکون کیسے انسانیت کو نصیب ہوگی؟ یہ وہ سوالات ہیں جو ہر ذی شعور انسان کے دل میں گردش کر رہے ہیں۔

محترم قارئین !اس پوری کائنات میں امن وسکون، چین واطمینان اور خوشیوں سے بھرپور زندگی کے حصول کے لیے منتخب شدہ راستہ انسانوں کے دلوں پر محنت کا راستہ ہے۔ انسانوں کے دلوں میں جب تک بگاڑ اور فساد، خود غرضی اور ناجائز خواہشات کو پورا کرنے کا جذبہ رہے گا، رہتی دنیا تک ان تمام ایجادات کے

باوجود انسانیت کا سوکھا ہوا درخت کبھی ہرا نہیں ہوسکتا۔ یہ ایک حقیقت ہے، جس سے کوئی انسان انکار نہیں کرسکتا۔ تمام وسائل پر ہمارا قبضہ کیوں نہ ہو، جب تک ان کے استعمال کرنے والوں کے دلوں میں انسانوں کی غمخواری، ہمدردی، محبت، بے لوث خدمت اور خدا پرستی نہیں ہوگی، یہی وسائل انسانیت کے سرسبز وشاداب درخت کے جڑوں کو کھوکھلا اور شاخوں کو سوکھنے کا سبب بنیں گے اور انسان حقیقی راحتوں سے محروم رہے گا۔ چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھوں میں نئے وسائل کا بہتات ہوگا تو اس سے چوریاں منظم اور آسان طریقے سے شروع کریں گے، ظالم اور جابر حکمرانوں کے پاس نئے وسائل اور آلات ہوں گے تو جو ظلم اور ستم مظلوم انسانیت تک مہینوں میں پہنچتا تھا، اب وہ ظلم ہوا کی رفتار سے پہنچے گا، ظلم کا دَور دَورہ ہوگا، ہر ایک انسان کی آنکھ امن و سکون کے لیے ترس رہی ہوگی۔

انسانیت پر محنت کے لیے معصوم انبیا علیہم السلام دنیا میں مبعوث ہوتے تھے۔ پیغمبر دل کی صفائی سے اپنا کام شروع کرتے تھے۔ وہ خوب سمجھتے تھے کہ یہ سب دل کا قصور ہے۔ انسان کا دل بگڑتا ہے تو اس کے اندر چوری، ظلم، دغابازی، خودغرضی، بغض، حسد اور نفرتیں پیدا ہوجاتی ہیں، اس میں خواہشات کا ایک ایسا عفریت آجاتا ہے، جو ہر وقت اس کو نچاتا رہتا ہے، وہ بچے کی طرح اس کے اشارے پر حرکت کرتا رہتا ہے۔

آج انسانیت سے سوال کیا جائے کہ نئے ایجادات کی ضرورت ہے یا ان مصنوعات کو درست طریقے سے استعمال کرنے والے انسان کی؟ سب ببانگِ دہل جواب دیں گے کہ صالح انسان اور صالح قیادت کی ضرورت ہے، انبیاء علیہم السلام اعلیٰ اخلاقی قدریں، محبتیں، ہمدردیاں اور انسانیت کا دکھ پیدا کرنے کے لیے دن رات کوشاں رہتے تھے، اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴾(آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کردی تو تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ

چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا، اس طرح اللہ تم کو اپنی آیات کھول کھول کر سناتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

پیغمبر انسانوں کے دلوں اور مزاجوں کو تبدیل کرتے تھے، دل کی تبدیلی کے بغیر زندگی تبدیل نہیں ہوسکتی، ان کی سعی کامل سے ایسے افراد تیار ہوتے تھے، جو اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر دوسروں کو نقصان سے بچاتے تھے، خود بھوکے پیاسے رہتے، لیکن دوسروں کی بھوک اور پیاس ان سے برداشت نہیں ہوسکتی تھی۔

ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا کہ آج کچھ مہمانوں کو کون کھانے کے لیے لے جائے گا؟ ایک صحابی ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اٹھے، مہمانوں کو لے گئے، گھر میں کھانا کم تھا، میاں بیوی میں مشورہ ہوا کہ بچوں کو بھوکا سلادیا جائے گا اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ کو درست کرنے کی نیت سے بجھا دیا جائے گا، تاکہ مہمان خوب سیر ہوکر کھاسکیں۔ مہمانوں کو اندھیرے میں علم تک نہ ہوا کہ ان کا میزبان بھوکا ہے، وہ اندھیرے میں خالی ہاتھ منہ تک لے جاتے رہے۔ (تفسیر ابن کثیر سورۃ حشر آیت ۹)

یہ دلوں کی تبدیلی کا اثر تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

خبردار بدن میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، جب وہ درست ہوجاتا ہے تو پورا جسم درست رہتا ہے، یعنی جسم سے نکلنے والے تمام اعمال درست رہتے ہیں اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو پورے کا پورا جسم فاسد ہوجاتا ہے، یعنی جسم سے نکلنے والے اعمال بُرے ہوتے ہیں، خبردار وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔ (بخاری)

مولائے کریم ہمارے اور پوری انسانیت کے دلوں کو درست فرمالے۔ آمین!

ملفوظات امام شافعیؒ

فرمایا: شرافت کے چار ستون ہیں:

(۱) حسنِ اخلاق (۲) تواضع

(۳) سخاوت (۴) عبادت گذاری

(ائمہ اربعہ کے دربار میں: 90)

﴿اسلامی زندگی﴾

آخرت ہی کو اپنا حقیقی گھر سمجھنا چاہیے!

مولانا عاطف شاہ

میں آپ کے سامنے دو باتیں عرض کر رہا ہوں:

(۱)..... جو شخص دنیا کی خوشیاں مناتا ہے تو اس سے یہ شکایت ہے کہ آخرت کی خوشیاں کیوں نہیں مناتا؟

(۲).....جو شخص دنیا کے غم پر روتا ہے تو اس سے یہ شکایت ہے کہ آخرت کے غم پر کیوں نہیں روتا؟

پہلی بات :

اگر دنیا کی خوشی منانے والا کہے کہ دنیا کی خوشیاں حاضر و موجود ہیں، اس کو کیسے نہ منائیں؟ تو یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ اگر آخرت کی خوشیوں کے بارے میں یہ کہے کہ ہم آخرت کی خوشیاں کیسے منائیں؟ اس کی ہمیں امید ہی کہاں؟ ہم تو گنہ گار ہیں۔ تو اس میں دو دعوے ہیں اور دونوں غلط ہیں۔ اول بھی غلط کہ دنیا کی خوشی حاضر ہے۔ دوسرا بھی غلط کہ آخرت کی خوشی کہاں ہے؟

پہلا دعویٰ :

پہلا دعویٰ تو اس لیے غلط ہے کہ ہزاروں آدمی ایسے ہیں کہ وہ سوچتے کچھ ہیں اور ہوتا کچھ ہے۔ پھر اگر خوشی ہوتی بھی ہے تو تجربہ یہ ہے کہ تمنائیں ہمیشہ تعداد میں حاصل سے بڑی ہوئی ہوتی ہیں، یعنی حاصل ہوتا ہے کم اور تمنا ہوتی ہے زیادہ۔ تو جس شخص کی تمنا جس قدر زیادہ ہوگی، وہ ہمیشہ اسی قدر زیادہ غمگین رہے گا، البتہ اللہ والے خوش رہتے ہیں، اس لیے کہ وہ لوگ دنیا کی کچھ تمنا ہی نہیں کرتے، اگر کریں بھی تو کچھ حاصل ہو جائے، تب بھی خوش ہیں، حاصل نہ ہو جائے تو اس پر بھی خوش ہیں۔ دنیاداروں کو خوشی کہاں؟ اللہ کی قسم! راحت جس چیز کا نام ہے، اگر وہ حاصل نہ ہوئی تو پھر اس کا سامان جتنا زیادہ ہوگا، اُتنا ہی زیادہ موجبِ حسرت و تکلیف ہوگا۔

لوگ مال و دولت کو راحت سمجھتے ہیں، حالانکہ راحت دولت میں نہیں ہے، ورنہ چاہیے تھا کہ صندوق

کوزیادہ لذت محسوس ہوتی۔مگر یہ لوگ صندوق سے بھی زیادہ بدتر ہیں، کیونکہ صندوق کواس کے ضائع ہونے پرغم کا احساس نہیں ہوتا، جبکہ یہ لوگ مال ضائع ہونے کے خوف سے بے چین اور پریشان ہوتے ہیں۔تو معلوم ہوا کہ دنیا کی ان چیزوں میں خوشی نہیں ہے۔

دوسرا دعویٰ:

اور دوسرا دعویٰ کہ آخرت میں خوشی کہاں ہے؟اس لیے غلط ہے کہ آخرت کی خوشی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تم کو بالکل بااختیار بنایا ہے۔چنانچہ دنیا کی خوشی تو کبھی حاصل بھی نہیں ہوتی کہ ساری عمر چاہو اور حاصل نہ ہو۔اور آخرت کی کوئی راحت بھی ایسی نہیں ہے کہ وہ اختیاری نہ ہو۔یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ آخرت کی کتنی ہی بڑی تمنا ہو، اسباب اختیار کرنے سے ضرور حاصل ہوتی ہے۔مثلاً اگر کوئی گنہ گار آدمی حضرت جنیدؒ بغدادی کے درجہ میں جانا چاہے تو جاسکتا ہے، اس طرح کہ گناہوں کو چھوڑ دے اور نیک اعمال میں ترقی کرے۔

بس معلوم ہوا کہ آخرت کی خوشی اصل خوشی ہے جو بالکل اختیار میں ہے تو اس کی فکر کرو اور اس کے حاصل کرنے کی تدبیر اختیار کرو۔گناہوں کو چھوڑ دو اور نمازیں پڑھو اور جو اَب تک چھوٹ گئی ہیں، ان کی قضا کرو۔زکوٰۃ دو۔اس کے بعد سب خوشیاں تمہارے لیے ہیں۔تو اس پر خوشی مناؤ۔

دوسری بات :

اسی طرح اگر دنیا کے غم پر رونے والا کہے کہ دنیا کی مصیبت تو حاضر ہے، اس لیے اس پر روتے ہیں اور اس کا اہتمام کرتے ہیں اور آخرت کی فکر اس لیے نہیں کہ وہاں تو اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔تو سمجھ لو کہ یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کہاں کیا ہے کہ تم دنیا میں جو بھی کرو، میں تمہیں بغیر حساب کے جنت میں داخل کردوں گا۔

تو مطلب یہ ہے کہ نہ آخرت کی نعمت کو کوئی سوچتا ہے اور نہ وہاں کی مصیبت کو۔جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دنیا کو گھر بنا رکھا ہے۔حالانکہ حقیقی وطن اور گھر آخرت ہے۔ یہاں کا غم اور چین وسکون سب عارضی ہیں۔

پہلی مثال:

اگر کوئی مسافر سرائے میں قیام کرتا ہے تو وہاں کی چارپائی میں کیسے کھٹمل ہوتے ہیں، کبھی چارپائی ٹوٹی

پھوٹی ہوتی ہے، مگر سوچتا ہے کہ ایک رات ہی ٹھہرنا ہے، جس طرح بھی ہوگزارنا چاہیے۔ایک رات کی تکلیف ہی کیا ہے، کل تو گھر پہنچ جاؤں گا، ساری تھکاوٹ دور ہوجائے گی۔غرض سرائے کی تکلیف اس لیے تکلیف معلوم نہیں ہوئی کہ اس کو گھر نہیں سمجھا۔یہی حال دنیا کی تکلیفوں کا بھی ہے۔یہاں کا غم اور خوشی خواب کے غم وخوشی کی طرح ہے۔

دوسری مثال:

اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے اور اسی وقت آنکھ کھل جائے اور دیکھے کہ نہایت خوبصورت پلنگ پر آرام کررہا ہے اور لوگ ادھر ادھر خدمت وسلام کے لیے کھڑے ہیں تو کیا اس شخص کے ذہن میں وہ خواب رہے گا؟ ہرگز نہیں۔

تیسری مثال:

اسی طرح اگر کوئی شخص خواب میں یہ دیکھے کہ میں دنیا کا بادشاہ بن گیا ہوں، لیکن جب آنکھ کھل جائے تو دیکھے کہ چاروں طرف پولیس کے سپاہی ہاتھ میں بیڑیاں لیے ہوئے کھڑے ہیں اور اس کو جیل خانہ لے جانا چاہتے ہیں تو کیا اس خواب کی بادشاہت سے اس کو کوئی راحت پہنچے گی؟ ہرگز نہیں۔بس یہی حالت دنیا کی غمی وخوشی کی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے سامنے خوش ہوگیا تو یہاں کے رنج وغم کچھ بھی نہیں اور اگر خدا کے سامنے غمزدہ ہوگیا تو یہاں کے عمر بھر کی خوشی بھی خاک ہے۔

خلاصہ :

لہذا ہمیں چاہیے کہ آخرت ہی کو اپنا گھر سمجھیں اور دنیا کی بنسبت آخرت کا زیادہ اہتمام کریں۔اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

(ماخوذ از خطبات حکیم الامت بتغیر یسیر: ج ۱)

ملفوظاتِ امام احمد بن حنبلؒ

میمونیؒ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام نے فرمایا: خبردار! کبھی ایسا موقف اختیار نہ کرنا جس میں تمہارا کوئی امام اور مقتدیٰ نہ ہو۔ (ائمہ اربعہ کے دربار میں: 101)

﴿اسلامی زندگی﴾

اہلِ حق کی پہچان

ازقلم: مفتی محمد سلیمان محمدی

ہرگزرتے دن کے ساتھ کوئی نا کوئی نیا فرقہ، فتنہ یا جماعت کسی خوبصورت نام اور حسین نعروں کے پردے میں مسلمانوں سے ان کی سب سے قیمتی دولت "دولتِ ایمان" چھین کر گمراہیوں کی دلدل میں پھنساتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ان جماعتوں اور گمراہ فرقوں میں سے ہر ایک اپنے آپ کو اہل حق کہتا ہے اور اپنے علاوہ پوری امت مسلمہ کو گمراہ قرار دیتا ہے۔ ایک عام مسلمان جب فرقوں کی اس باہمی کشمکش اور ہر طرف سے کافر کافر کے نعرے سنتا ہے تو وہ پریشان ہو جاتا ہے کہ یا اللہ! میں جاؤں تو کہاں جاؤں؟ کس کو حق مانوں اور کس کو غلط کہوں؟؟ اس لیے وہ سب سے متنفر ہو کر دین سیکھنے سے ہی توبہ کر لیتا ہے اور اپنی نادانی اور کم علمی کی بنیاد پر دین کے نام پر کام کرنے والے تمام افراد کو غلط قرار دیدیتا ہے، حالانکہ یہ سوچ درست نہیں، ہم مانتے ہیں کہ بہت سے فتنہ پرور دین داروں کا روپ اور حلیہ بنا چکے ہیں، گرد و غبار اتنا بڑھ چکا ہے کہ صحیح اور غلط میں فرق مشکل ہو چکا ہے، لیکن ان سب کو ایک جیسا سمجھنا بھی درست نہیں۔ جو لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے سب کو غلط کہنے لگتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ کبھی اہل حق کے قریب آئے ہی نہیں، اس لیے وہ اہلِ حق سے ناواقف ہیں۔۔۔۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ عوام اپنا تعلق علماءِ حق کے ساتھ جوڑیں، تاکہ وہ حق اور باطل کے درمیان صحیح فرق کر سکیں۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر دو (2) آدمی ہوں، جن میں سے ایک موبائل کا مالک اور دوسرا چور ہو، اور چور مالک سے موبائل چھین رہا ہو اور مالک اپنے موبائل کی حفاظت کرنے کی وجہ سے چور سے لڑنا شروع کر دے۔ کوئی تیسرا شخص ان کو لڑتے ہوئے دیکھے اور تحقیق کے بغیر دور ہی سے یہ کہنا شروع کر دے کہ چونکہ دونوں لڑ رہے ہیں اور لڑنا بہت بری بات ہے، اس لیے دونوں ہی غلط ہیں تو کوئی عقلمند آدمی اس تیسرے آدمی کی بات کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ ہوگا، بلکہ ہر شخص یہی کہے گا کہ دونوں کو غلط

کہنے سے پہلے تحقیق کر لی جائے کہ لڑنے کی وجہ کیا ہے؟ قریب جا کر تحقیق کرنے کے بعد جو فیصلہ غیر جانبداری سے کیا جائے وہی درست ہوگا، نہ کہ وہ فیصلہ جو دور سے بغیر تحقیق کے کر دیا جائے، اس لیے صاحب عقل مسلمانوں کو چاہیے کہ دین کے نام پر کام کرنے والوں کے مؤقف کو غیر جانبداری اور تعصب کی عینک اتار کر سنا جائے اور پھر فیصلہ کیا جائے کہ کون اہل حق ہے اور کون اہل باطل؟ کون صحیح اور کون غلط؟ کون دین کی خدمت اور اشاعت کا صحیح حق ادا کر رہا ہے اور کون صرف اپنے مسلک اور فرقے کی تعداد بڑھانے کے لیے فتویٰ بازی اور کافر کافر کے نعروں سے کام چلا رہا ہے؟ اگر آپ واقعی صاحب عقل ہیں تو یقیناً آپ کے لیے صحیح اور غلط میں، دودھ اور پانی میں فرق کرنا بالکل آسان ہے۔ اس لیے قدم بڑھائیں اور تحقیق کریں کہ کون صحیح ہے اور کون غلط؟ کیونکہ سب غلط نہیں ہو سکتے، اس لیے کہ آقا مدنی ﷺ کی مشہور حدیث ہے:

"لا یزال من أمتي أمة قائمة بأمر الله، لا یضرهم مَن خَذَلَهم، ولا مَن خالفهم، حتیٰ یأتی أمر الله وهم علی ذلك". (رواه البخاري و مسلم)

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ فتنوں کے دور میں بھی اہل حق کی ایک جماعت لازمی ہوگی جو ہر حال میں دین کو مضبوطی سے تھامے رکھے گی، نہ اس میں کمی کرے گی اور نہ ہی اضافہ۔ اس لیے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس جماعت کو تلاش کر کے اس میں شامل ہو جائیں، تب ہی ہماری نجات ممکن ہو سکے گی۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا تو گمراہی ہمارا مقدر بن جائے گی۔

اب ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل حق کی اس جماعت کی کوئی ایسی نشانی ہونی چاہیے جس کو دیکھ کر ایک عام آدمی پہچان سکے کہ یہ اہل حق کی جماعت ہے، ہمارے ذہن میں پیدا ہونے والے اس سوال کا جواب آج سے 1400 سال پہلے ہی اللہ رب العزت نے آقا مدنی ﷺ کی زبانی بتا دیا، تاکہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے اہل حق اور اہل باطل کے درمیان فرق کرنا آسان ہو جائے۔ چنانچہ ترمذی شریف کی حدیث ہے:

"عن عبد اللّٰه بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ: إن بنی إسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین و سبعین ملة، تفترق أمتی علیٰ ثلاث و سبعین ملة، کلهم فی النار إلا أمة واحدة، قالوا: من هي یا رسول اللّٰه؟ قال " ما أنا علیه و أصحابي ". (رواه

الترمذي، كتاب الايمان، باب افتراق هذه الأمة،جلد 2،صفحه 549)

اس حدیث مبارکہ کو سامنے رکھتے ہوئے اب اہل حق کی پہچان بالکل آسان ہے۔ جو فرد، جماعت یا فرقہ عملی طور پر نبی ﷺ اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستے پر چلنے والا ہوگا، وہ اہل حق اور اہل جنت میں سے ہوگا۔ اور جو جماعت یا فرقہ اس راستے سے انحراف کرے گا تو وہ اہل باطل کی صفوں میں داخل ہو کر اہل جہنم کے راستے پر چلنے والا ہوگا۔ اب اس حدیث کی روشنی میں موجودہ دور کے مشہور فرقوں کا جائزہ لیتے ہیں:

سب سے پہلے قادیانیت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ مرزا قادیانی اور اس کے ماننے والوں نے ختم نبوت جیسے متفقہ اجماعی عقیدے کا انکار کر کے نبی ﷺ کے دامن کو چھوڑ دیا اور گمراہیوں کی گہری کھائی میں جا گرے، اور یوں اہل حق سے ہٹ کر مستقل نبوت اور دین ایجاد کیا، جس پر چلنے والوں کا انجام یقیناً جہنم ہے۔ یاد رہے کہ ختم نبوت کا عقیدہ قرآنِ مجید کی 100 آیات اور 210 احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے۔ دلیل کے طور پر قرآن کی آیت:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾(الاحزاب:40)

اور نبی مکرم ﷺ کی حدیث:

"أنا خاتم النبيين لا نبي بعدي"

ہی کافی ہے۔ لیکن اگر کسی بیوقوف شخص کو ان تمام دلائل کو ٹھکراتے ہوئے جہنم میں چھلانگ مارنے کا شوق ہے تو ضرور مارے۔ ہمارا کام سمجھانا ہے، ہم مرتے دم تک سمجھاتے رہیں گے، لیکن اگر کوئی پھر بھی نہیں سمجھتا تو عنقریب وہ اپنا انجام دیکھ لے گا۔

قادیانیت کے بعد رافضیت (شیعیت) کا فتنہ ہے جو ظاہراً اسلام کا نام لیتا ہے، حب رسول ﷺ اور حبِ اہل بیت کے نعرے بھی لگاتا ہے، لیکن حقیقت میں ان شر پسندوں کا اسلام، رسول ﷺ، حضرت علیؓ، حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما اور اہل بیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت نے تو خلفاء ثلاثہ (حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور 25 سال تک ان کو

اپنا امام مانا اور ان کے پیچھے نمازیں ادا کیں اور ان کے ساتھ رشتہ داریاں بھی کیں۔ صحابہ کرام اور اہل بیت تو آپس میں ﴿رحماء بینھم﴾ کی عملی تصویر تھے، لیکن یہ بد بخت، صحابہ کرامؓ کے درمیان نفرتوں کے پہاڑ کھڑے کرنے کی ناکام کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔ حضورﷺ نے تو صحابہ کرام کے راستے پر چلنے کا حکم دیا تھا، لیکن یہ لوگ اپنی خباثت کی بنیاد پر سارے صحابہ کو کافر اور مرتد کہنے سے بھی نہیں گھبراتے، ثبوت کے لیے ان بدبختوں کی تقاریر اور کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اس رافضی ٹولے نے صحابہ کے راستے کو چھوڑ کر گمراہی کو اپنا مقدر بنا لیا ہے۔ جب تک یہ لوگ صحابہ کرام کی دشمنی سے توبہ کر کے صحابہ کے غلام نہیں بن جاتے اس وقت تک ان کا اہل حق اور اہل جنت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اسی طرح بعض لوگ اپنی جھوٹی زبانوں سے عشقِ نبیﷺ اور عشقِ صحابہ کا دعویٰ تو کرتے ہیں، لیکن عملی طور پر ان کے دین کو کافی نہ سمجھتے ہوئے اپنی طرف سے اضافہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ انہوں نے بدعات و رسومات کا اتنا لمبا چوڑا سلسلہ شروع کر رکھا ہے کہ جس کا صحابہ کے دین اور طریقے سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر صحابہ کرامؓ، تابعین اور دیگر بزرگانِ دین یہ سب بدعات و رسومات نہ کرنے کے باوجود بھی نجات پا سکتے ہیں تو پھر آج ہمارے لیے یہ سب کچھ ضروری کیوں ہو گیا؟ کیا ان بدعات و رسومات پر عمل کیے بغیر ہماری نجات ممکن نہیں ہے؟ اگر ممکن ہے تو پھر ان بدعات و رسومات کو چھوڑ کر صحابہ کرام کے خالص دین کو کیوں نہیں لیا جاتا؟ یاد رکھیں کہ یہ بدعتی ٹولہ " **کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار** " کی شکل میں اپنے لیے جہنم کے انگارے تیار کر رہا ہے۔ ناکامی سے بچنے کے لیے ان کے پاس صرف ایک ہی راستہ بچا ہے کہ یہ لوگ بدعات و رسومات کو چھوڑ کر واپس اسی دین کو سینے سے لگا لیں جو صحابہ کرامؓ امت تک پہنچا کر گئے ہیں، ورنہ ہلاکت و بربادی ان کا مقدر بن جائیگی۔

اسی طرح بعض لوگ قرآن و حدیث کی اتباع کا نعرہ لگا کر اور اپنے آپ کو سلفی کہلوا کر امتِ مسلمہ کو یہ بات سمجھانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اتنے ہوشیار، چالاک اور عقلمند ہیں کہ پورے چودہ سو سال میں قرآن و حدیث کی صحیح تشریح اور تعبیر صرف انہیں سمجھ آئی ہے، اور باقی تمام امت گمراہ ہے۔ حتیٰ کہ حضورﷺ کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد خود صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی بدعات شروع کر دیں۔ مثلاً ان نام نہاد سلفیوں کے نزدیک 20 رکعت تراویح باجماعت کا حکم دینا حضرت عمرؓ کی جاری کردہ بدعت ہے، اسی طرح

جمعہ کی 2 آذانیں دلوانا حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی بدعت ہے، کیونکہ یہ کام حضورﷺ کے دور میں نہیں ہوتے تھے اور ہمیں اتباع صرف حضورﷺ کے قول وفعل کی کرنی چاہیے، کسی صحابی کا قول وفعل ہمارے لیے حجت نہیں بن سکتا۔ ہائے افسوس!.....جن لوگوں کی یہ سوچ ہو کہ وہ صحابہ کرامؓ کے عمل کو معیارِ حق بنانے کے بجائے بدعت سے تعبیر کرتے پھریں، جبکہ اللہ کے نبیﷺ نے فرمایا تھا"**علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین** ". حضورﷺ ان کے عمل کو سنت کا نام دیں اور اس کی پیروی کرنے کا حکم دیں اور یہ بدبخت ان ہی مقدس ہستیوں پر عدمِ اعتماد کریں تو پھر ایسے لوگوں کو"**ما أنا علیه و أصحابي** "والی حدیث کی روشنی میں کبھی بھی اہل حق نہیں کہا جاسکتا۔

اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آخرت میں نجات کا دارومدار نبیﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے نقشِ قدم پر چلنے میں ہے، اس لیے تمام مسلمانوں سے گزارش ہے کہ اپنے عقائد واعمال کا بار بار جائزہ لیں۔ اگر نبیﷺ اور صحابہ کے نقشِ قدم پر اپنے عمل کو پائیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ فتنوں کے اس دور میں بھی اہل حق کے دامن سے وابستہ ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ اگر کسی شخص کے عقائد واعمال صحابہؓ کے عطا کردہ دین سے ٹکراتے ہیں تو اسے سوچنا ہوگا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟

یاد رکھیں کہ "**ما أنا علیه و أصحابي**" کی شرط کسی مولوی یا مفتی صاحب کے فتوے کی بنیاد پر نہیں لگائی گئی، بلکہ یہ اللہ کے نبیﷺ کا مبارک ارشاد ہے (اور حدیث کی مشہور کتاب ترمذی شریف میں موجود ہے) جس کے صحیح ہونے میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اللہ پاک تمام مسلمانوں کی ہر شر اور فتنے سے حفاظت فرمائے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

ملفوظاتِ امامِ شافعیؒ

فرمایا: جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے حکمت کا نور عطا کرے اُسے حتی الامکان خلوت اختیار کرنی چاہیے، کھانا کم کھانا چاہیے، بے وقوفوں کے ساتھ میل جول نہ رکھے اور ان علماء سے دور رہے جو ناانصاف اور بے ادب ہوں۔

(ائمہ اربعہ کے دربار میں: ص: 91)

﴿بیان جمعہ﴾

پردے کی اہمیت

مفتی غلام اللہ صاحب
امام وخطیب: جامع مسجد بلال کلفٹن کراچی

الحمد للّٰہ و کفٰی والسلام علی من لا نبی بعدہ، أما بعد فأعوذ باللہ من الشیطن الرجیم،بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم . قال اللہ تعالی: ﴿ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ﴾ (الاحزاب:۵۹)

اے نبی! آپ فرمادیجئے اپنی ازواج مطہرات سے اور اپنی بیٹیوں اور ایمان والی عورتوں سے کہ وہ اپنے جسم پر بڑی چادر ڈال دیں۔

جلباب ایسی چادر کو کہا جاتا ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک عورت اس میں ڈھکی ہوئی ہو۔مسلمانوں کو یہ اللہ کا حکم ہے۔جس طرح ہم نماز پڑھتے ہیں،نماز فرض ہے، روزے فرض ہیں،زکوۃ فرض ہے، صاحب استطاعت پر حج فرض ہے،تو بعینہ اسی طرح پردہ بھی فرض ہے۔جس طرح نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے انسان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوجاتا ہے،اسی طرح پردہ نہ کرنے والی عورت گناہ کبیرہ کی مرتکب ہے۔یہ اس لیے بتاتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں اکثر لوگ پردہ نہیں کرتے۔

دیکھیں! کفار کو جب یہ بات معلوم ہوئی کہ طاقت کے زور پر ہم مسلمانوں کو شکست سے دوچار نہیں کرسکتے تو انہوں نے کہا کہ چلو اِن کے اخلاق بگاڑ کر مسلمانوں کو اخلاقی شکست دیں گے اور اخلاق کو بگاڑنے کا سب سے بڑا ذریعہ بے حیائی ہے۔جب ان میں بے حیائی پھیلائی جائے تو وہ خود شکست خوردہ ہوجائیں گے۔یورپ نے اس گندگی اور بے پردگی کے سیلاب کو مسلمانوں کے معاشرے میں پھیلا دیا۔اب جب ان سے دین کی بات کرتے ہیں، پردہ کی باتیں کرتے ہیں تو وہ تاویلیں کرنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں: بھائی پردہ کا حکم نہیں ہے۔تو آپ کو کیا پتہ ہے؟ آپ قرآن کو کتنا جانتے ہیں؟ حدیث کو کیا جانتے ہیں؟ قرآن اور حدیث کو سمجھنا تو علما کا کام ہیں۔حدیث محدثین نے سمجھائی،قرآن مفسرین نے سمجھائی اور فقہا نے مسائل کا استنباط کیا۔

اس کو علماء جانتے ہیں، لہذا اگر وہ بے پردگی سے منع کرتے ہیں تو ضرور قرآن وحدیث کی روشنی ہی میں منع کررہے ہوں گے۔ تو فحاشی اور بے حیائی کے انسداد کے لیے سب سے بہترین چیز پردہ ہے، یہ انسدادِ فواحش کا ذریعہ ہے۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ بے پردگی اور آوارگی کی یہ عادتیں ہمیں یورپ کی تقلید سے ملی ہیں، جنہیں اپنا کر ہم نے اپنے اخلاق بگاڑ دیے، کیونکہ جہاں بے حیائی اور فحاشی آتی ہے تو وہاں اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ مغربی اور یورپی تہذیب کے دلدادہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ سلطنت عثمانیہ میں مسلمانوں نے چھ سو سال تک یورپیوں کو دبا کر رکھا تھا، کیونکہ ان میں ایمانی اور اخلاقی قوت تھی۔ چنانچہ مغرب کی طرف سے بے پردگی اور بے حیائی کا سیلاب گرم کر کے مسلمان اس کے شکار ہوئے اور پسماندگی کی طرف چلے گئے، جس کی سزا مسلمان آج بھی بھگت رہے ہیں۔ پہلے، ٹی وی، ڈش، وی سی آر؛ یہ چیزیں تھیں، آج کل تو موبائیل ہر گھر میں موجود ہے، یہ فحاشی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ پردہ اللہ کا حکم ہے: جیسا کہ ارشاد باری ہے: اے نبی! آپ فرمادیجئے اپنی ازواج مطہرات سے اور اپنی بیٹیوں اور ایمان والی عورتوں سے کہ وہ اپنی جسم پر بڑی چادر ڈال دیں۔ تو جلابیب ایسے پردے کو کہتے ہیں کہ سر سے پاؤں تک عورت اس میں ڈھکی ہوئی ہو۔ پردہ ایمان کی تقویت کا سبب اور بنیادی مظہر ہے، جس کے مقابلے میں بے پردگی زنا کے اسباب میں سے ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى﴾(الاسراء:۳۲)

یعنی زنا کے قریب مت جاؤ۔ مطلب یہ ہے کہ دواعی زنا (اسبابِ زنا) اختیار مت کرو، جس میں سب سے پہلا سبب بے پردگی ہے۔ دیکھیں! جب عورت برقعہ اوڑھتی ہے یا چادر، تو وہ ایسا موٹا ہونا ضروری ہے کہ جس کے اندر جسم نظر نہ آئے اور اتنا پورا (لمبا) ہونا چاہیے کہ سر سے لے کر پاؤں تک پورا بدن چھپ جائے، لیکن ایسا فٹ نہ ہو کہ اس میں جسم کے اعضا کی بناوٹ نظر آتی ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہاتھ اور چہرے کا پردہ نہیں ہے تو میں کہتا ہوں کہ دراصل فتنے کا محل تو چہرہ ہے، لہذا اس کو چھپانا ضروری ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ:

"المرأة عورة إذا خرجت استشرفها الشيطان". (ترمذي)

عورت پردے کی چیز ہے، عورت کا معنی ہی پردہ ہے، لہذا جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے اور اس عورت کو لوگوں کی نظروں میں خوبصورت کر کے دکھاتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ام سلمیٰؓ اور حضرت میمونہؓ آپ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، تو اتنے میں عبداللہ ابن ام مکتومؓ نابینا صحابی اندر تشریف لے آئے، نبی کریم ﷺ ان دونوں کو فرمانے لگے کہ تم دونوں اس صحابی سے پردہ کرلو، تو انہوں نے کہا: "**أليس هو أعمى لا يبصرنا ولا يعرفنا**"؟ کہ یہ تو نابینا ہے ہمیں دیکھ نہیں سکتا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "**أفعمياوان أنتما**" یہ نابینا ہے، لیکن تم دونوں تو نابینا نہیں ہو، تم دونوں تو اسے دیکھ سکتی ہو۔" (سنن ابی داؤد، ترمذی)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح مرد عورت کی طرف نہیں دیکھ سکتا، اسی طرح عورت کے لیے بھی مرد کی طرف دیکھنا جائز نہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِن اَبْصَارِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱)

اے پیغمبر! آپ مومن عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنی نظریں نیچی کرلیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"النظر سهم من سهام إبليس مسموم".

بدنظری شیطان کے زہریلی تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ اور یہ تیر سیدھا جا کر دل پر لگتا ہے اور جب یہ تیر دل پر لگے تو دل میں جو تقوی اور جتنی نورانیت ہوتی ہیں، وہ ساری نورانیت کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لیے مردوں کو یہ حکم ہے کہ عورتوں کی طرف نہ دیکھو۔ نیز عورتوں کو بھی یہ حکم ہے کہ وہ پردہ کریں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے روایت نقل کی ہے کہ جلابیب کا مطلب یہ ہے کہ پورے جسم سمیت چہرہ بھی چھپا ہوا ہو، صرف آنکھ نظر آئے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جس طرح نماز، روزہ اور حج وغیرہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں، اسی طرح پردہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

تو میرے بھائیو! فرداً فرداً ہر شخص اپنی عورتوں کو پردہ کی ترغیب دے۔ آج سے ارادہ کریں کہ میری بیوی، بچی وغیرہ پردہ کرے گی۔ یہ آپ کی عزت کا بھی سوال ہے، ورنہ وہ مرد کس کام کا جو اپنی بیوی بچیوں سے

پردہ نہیں کرواسکتا۔وہ مرد نہیں جو عورتوں سے مغلوب ہو۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾(النسآء: ٣٤)

اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر نگران اور حاکم بنایا ہے تو جب گھر میں تم عورت پر حکم نہیں چلا سکتے اور انہیں اللہ کا قانون نہیں بتا سکتے تو تمہاری مردانگی کہاں کی ہے؟

اس لیے شریعت نے قوانین وضع کیے ہیں کہ عورت محرم کے ساتھ سفر کرے، اگر محرم نہ ہو تو سفر کرنے کی اجازت نہیں، یہ اس لیے تاکہ جرائم، بے حیائی اور فواحش کا انسداد ہو جائے۔تو پردہ شریعت کا حکم ہے، یہ کوئی ظلم نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا ہر حکم کسی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے، چاہے وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔لہذا عورت کے لیے بلاضرورت گھر سے باہر نکلنا بغیر محرم کے ناجائز ہے، کیونکہ جو عورت بلاضرورت گھر سے باہر نکلتی ہے تو اس پر لعنت برستی رہتی ہے، جب تک گھر واپس نہ لوٹے۔

تو قرآن کہتا ہے کہ زنا کے اسباب کے بھی قریب نہ جاؤ۔امام رازیؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو زنا کا مرتکب ہو جاتا ہے، اس کے چہرے سے نورانیت ختم ہو جاتی ہے، وہ فقیر ہو جاتا ہے اور اس کی عمر میں برکت نہیں رہتی۔معاشرے میں اس کا احترام ختم ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو عذاب دیں گے۔

حضرت اُم خلادؓ ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس آئی اور رونے لگی کیونکہ اس کے بیٹے شہید ہو گئے تھے۔اس عورت نے برقعہ یا چادر اوڑھی ہوئی تھی تو ایک شخص نے اس عورت سے کہا کہ آپ کا بچہ شہید ہو گیا ہے اور آپ پھر بھی پردہ کر کے آئی ہیں، کیونکہ جیسا کہ آج کل ہوتا ہے کہ جب کسی گھر میں فوتگی ہوتی ہے تو پھر عورتیں پردہ کا اہتمام نہیں کرتیں۔تو اس عورت نے جواب دیا: ایک مصیبت میں پہلے سے مبتلا ہوں تو دوسری مصیبت میں اپنے اوپر کیوں ڈال دوں کہ بے پردگی کروں۔تو اس عورت کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ بے پردگی ایسی ہی مصیبت ہے جیسے بچے کا قتل ہو جانا۔(سنن ابی داؤد)

لہذا پردے کا اہتمام ہونا چاہیے اور دواعی زنا (اسباب زنا) سے احتراز کر لینا چاہیے۔

لہذا آج سے ارادہ کریں کہ میں والدہ سے بھی کہوں گا اور بیوی بچوں سے بھی کہوں گا کہ شرعی پردے کا اہتمام کریں۔اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

﴿دارالافتاء﴾

دارالافتاء

مفتی حمید اللہ جان

0333-9133080

اپنے مسائل کا جواب پوچھنے کے لیے آپ ماہنامہ ندائے حسن کے ڈاک پتے یا ای میل پر سوال بھیج سکتے ہیں۔
سوال پوچھنے میں یہ خیال رکھیں کہ وہ مفید اور قابل اشاعت ہونے کے ساتھ ساتھ مسلکی طور پر اختلافی نہ ہو۔

کمپنی کے کسٹمر کا بینک کے ذریعے پیمنٹ کرنا

سوال:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا سولرز کا بزنس ہے، بسا اوقات کسی کسٹمر کے پاس نقد رقم نہیں ہوتی تو وہ سٹیٹ بینک کے ذریعہ پیمنٹ کرنا چاہتا ہے۔اس حوالے سے سٹیٹ بینک نے ایک طریقہ کار وضع کیا ہے کہ وہ پرائیویٹ بینکوں کے ذریعے کسٹمر کی طرف سے کسی بھی رجسٹرڈ کمپنی کو پیمنٹ کر دیتے ہیں۔ یہ مخصوص کمپنیاں ہوتی ہیں جو کہ بینک کے ساتھ رجسٹرڈ ہوتی ہیں۔

اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ کمپنی اپنے کسٹمر کو معاہدے کی رسید دیتا ہے، اس کو لے کر یہ کسٹمر بینک جاتا ہے، وہاں منظوری آجاتی ہے۔اس رسید میں کمپنی کے اخراجات وغیرہ درج ہوتے ہیں، مثال کے طور پر اگر کمپنی کے دس لاکھ روپے بنتے ہیں تو بینک دس لاکھ روپے کمپنی کو ادا کر دیتا ہے۔اب یہ شخص جس نے سولر لگوائی ہے، وہ بینک کو چھ فیصد سود کے ساتھ یہ دس لاکھ روپے جمع کرتا ہے۔ کمپنی کا اس سود کی رقم کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہوتا، ان کا جتنا بھی خرچہ آجاتا ہے، وہ بینک کسٹمر کی طرف سے ادا کرتا ہے۔

اس حوالے سے رہنمائی درکار ہے کہ ہم کمپنی والے اپنا یہ کاروبار اس طریقہ کار پر جاری رکھ سکتے ہیں؟

الجواب وباللہ التوفیق:

شریعت میں جن بیوعات سے غرر اور دھوکہ کی بنا پر منع کیا گیا ہے، ان میں سے ایک دین (قرض)

کو کسی دوسرے کے اوپر فروخت کرنا بھی شامل ہے، جسے عام فقہی اصطلاح میں **"بیع الدین من غیر من هو علیه الدین "** کہا جاتا ہے۔

صورت مسئولہ میں اس سولر کمپنی کے کسٹمر کا بینک کے ذریعے اس طریقے سے پیمنٹ کرنا ،جس کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے؛ یہ **"بیع الدین من غیرمن هوعلیه الدین "** کے زمرے میں آتا ہے، جوکہ درست نہیں، کیوں کہ یہاں کمپنی کا کسٹمر کے ذمے سامان خریدنے کی صورت میں جو دین واجب ہوجاتا ہے، کمپنی اس کو بینک پر فروخت کرتی ہے اور پھر بینک اس کسٹمر سے زیادتی کے ساتھ اپنی رقم وصول کرتی ہے۔

والدلیل علی ذلک:

أمابيع الدين من غيرالمدين الذى يعبرعنه الفقهاء ببيع الدين من غيرمن هوعليه فقد وقع فيه اختلاف بين فقهاء المذاهب، فقال الحنفية والحنابلة والظاهرية:إن بيع الدين من غيرمن عليه الدين لايجوز اطلاقا....... لأنه غرر،فلايدرى أيخرج أم لايخرج. (فقه البيوع:**1/348**)

ولا ينعقد بيع الدين من غير من عليه الدين ؛ لأن الدين إما أن يكون عبارة عن مال حكمي في الذمة، وإما أن يكون عبارة عن فعل تمليك المال وتسليمه، وكل ذلك غير مقدور التسليم في حق البائع، ولو شرط التسليم على المديون لا يصح أيضا؛ لأنه شرط التسليم على غير البائع فيكون شرطا فاسدا فيفسد البيع. (بدائع الصنائع،كتاب البيوع،فصل في الشرط الذى يرجع إلى المعقودعليه)

ملفوظاتِ امام احمد بن حنبلؒ

ابن ہانی کہتے ہیں کہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے پاس تھا ایک شخص نے آکر ان سے کہا کہ اے ابوعبداللہ! میں نے آپ کی غیبت کی تھی آپ مجھے معاف کردیجیے۔فرمایا: اگرتم دوبارہ نہ کروتو معاف ہے۔(حکمت کے ساتھ اسے معافی بھی دے دی اور آئندہ کے گناہ سے بھی روکا)۔ (ائمہ اربعہ کے دربار میں:ص:108

﴿اخبار جامعہ﴾

ختمِ بخاری شریف ودستار بندی کی پُر رونق تقریب

تحریر: مفتی عاطف شاہ

یکم فروری بروزِ منگل جامعہ حسن چارسدہ میں ختمِ بخاری ودستار بندی کے حوالے سے ایک عظیم الشان پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔اس پروگرام کے مہمانِ خصوصی جامعہ امداد العلوم پشاور کے شیخ الحدیث، پیرِ طریقت حضرت مولانا مفتی سعید اللہ شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ تھے۔

پروگرام کا آغاز:

پروگرام کا افتتاح مفتی حمید اللہ جان صاحب کے فرزندِ ارجمند محمد حسان نے اپنی خوبصورت آواز میں تلاوتِ کلام پاک سے کیا۔تلاوتِ کلام پاک کے بعد درجہ ثالثہ کے طالب علم قاری سعد اللہ نے نعت رسول مقبول پیش کی۔

سلسلۂ بیانات:

بعد ازاں مختصر بیان کے لیے جامعہ ہذا کے شیخ الحدیث حضرت مولانا اورنگزیب کوہستانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ مدعو کیے گئے۔شیخ صاحب نے اخلاص وللّٰہیت کے موضوع پر مختصر اور جامع بیان فرمایا۔ اس کے بعد نومنتخب میئر تحصیل چارسدہ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤوف شاکر صاحب نے خوبصورت اور ولولہ انگیز بیان کیا۔مسلمان معاشرے کی تشکیل اور اصلاح میں علماء کرام کی قربانیوں اور جدوجہد کا ذکر کیا، فارغ التحصیل طلبہ کو مبارک باد دی، نیز انتخابات میں کامیابی پر مجمع میں موجود اس علاقہ کے غیور مہمانوں کا شکریہ ادا کیا اور انہیں یقین دلایا کہ ان شاء اللہ حتی الوسع اپنی ذمہ داریوں کو بطریقِ احسن نبھانے کی ضرور کوشش کروں گا۔

اس کے بعد سامعین کے دلوں کو گرمانے اور جذبہ عشق بیدار کرنے کے لیے ضلع چارسدہ کے معروف ومشہور نعت خوان مولانا قاری فضل امین شاہ صاحب نے نعتِ رسول مقبول پیش کی۔نیز اپنے منظوم

کلام میں فارغ التحصیل طلبہ کو بھی سراہا۔

ختم بخاری :

نعت شریف کے فوراً بعد بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دینے کے لیے مہمانِ خصوصی حضرت مولانا مفتی سعید اللہ شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو دعوت دی گئی۔ درس بخاری سے پہلے حفاظ کرام کو قرآن مجید کی آخری تین سورتیں پڑھا کر ختمِ قرآن فرمایا۔ ختم قرآن کے بعد بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس شروع کیا۔ بخاری شریف کے فضائل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ امام بخاری کی حالاتِ زندگی اور مناقب پر سیر حاصل گفتگو کی۔ آخری حدیث کے ہر ہر لفظ (سند اور متن) کی ایسی وضاحت کی، جس سے ایک طرف تمام سامعین مستفید ہو رہے تھے تو دوسری طرف انداز بیان سے آپ کی فقاہت، ذہانت اور علمیت چھلک رہی تھی۔ تقریباً سوا گھنٹے تک یہ درس جاری رہا، درس کے وقت مکمل سناٹا چایا ہوا تھا۔ عوام وخواص، خصوصا فضلاء کرام کو بیش بہا قیمتی نصائح اور دعاؤں سے بھی نوازا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایۂ شفقت تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔

سلسلۂ دستار بندی :

ختم بخاری شریف کے بعد شعبۂ حفظ، دورۂ حدیث اور درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کے فضلائے کرام کے سروں پر مہمانِ خصوصی شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سعید اللہ شاہ صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا اورنگزیب صاحب، جامعہ ہذا کے مہتمم حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب اور شیخ الحدیث حضرت مولانا شہریار احمد مدنی صاحب کے بابرکت ہاتھوں سے دستار فضلیت سجادیا گیا۔ نیز دیگر اساتذۂ حدیث (مفتی محمد طیب صاحب، مفتی محمد فہیم اللہ صاحب، مفتی عابد جان صاحب، مولانا شمس الحق صاحب اور مولانا شاہ فیصل صاحب) نے بھی دستار بندی کے اس عمل میں شریک ہو کر فضلاء کرام کے سروں پر دستِ شفقت رکھا۔

کوائف فضلائے کرام:

فضلائے درجہ تخصص

نمبر شمار	نام	ولدیت	پتہ

1	یاسین اللہ	منیر خان	ورسک روڈ متھرا پشاور
2	ثناء اللہ	مولانا عبدالبصیر	باڑی بند مندنی تحصیل تنگی، ضلع چارسدہ
3	محمد عامر	اورنگزیب	بختیار آباد چارسدہ
4	حبیب اللہ	غنچہ گل	بٹ خیلہ ملاکنڈ
5	محمد زبیر	ریاض اللہ	اختر آباد تنگی ضلع چارسدہ
6	ثمین احمد	نورنواز خان	گاؤں وانڈا فقیران ضلع لکی مروت
7	عثمان علی	غفار خان	گاؤں گڈخیل تحصیل نوا گئی ضلع باجوڑ
8	فضل سبحان	سید الرحمٰن	گاؤں لکڑے تحصیل صافی ضلع مہمند
9	عبدالرحمٰن	عبدالرسول	گاؤں لکڑے تحصیل صافی ضلع مہمند
10	سیدان شاہ	نصر اللہ	گاؤں لکڑے تحصیل صافی ضلع مہمند
11	محمود جان	مجاہد گل	انگار کورونہ رجڑ چارسدہ
12	اظہار علی	محمد جان	گھڑی ظریف خان اصحاب بابا پشاور
13	محمد مراد	امین خان	محلّہ دولت خیل پابنی ضلع صوابی
14	محمد عاصم	سبز علی جان	محلّہ لیاقت آباد بخشی پل پشاور
15	محمد خان	میاں جان	ضلع مہمند

فضلائے دورۂ حدیث

1	روح الامین	روزامین	منگاہ درگئی ضلع چارسدہ
2	عماد احمد	رحیم خان	ملک آباد چارسدہ
3	نوراللہ	محمد آیاز	مٹہ مغل خیل شبقدر چارسدہ
4	حسین احمد	نذیر احمد	پیر سباق نوشہرہ
5	سراج الحق	عبدالحلیم	مندنی چارسدہ

6	ضیاءالرحمٰن	ظاہرعلی شاہ	نستہ چارسدہ
7	صبیح اللہ	مسیح اللہ	رجڑ چارسدہ
8	عمرفاروق	ذاکراللہ	بہلول خیل چارسدہ
9	محمد حارث	خادم حسین	نستہ چارسدہ

حفاظ کرام

نمبرشمار	نام	ولدیت	پتہ
1	محمد عیسیٰ	حاجی ظفرعلی	شوگرملز پمپ چارسدہ
2	محمد انس	ظاہرشاہ	فضل آباد نمبر2 چارسدہ
3	محمد سنان علی	محمد علی	عصمت آباد چارسدہ
4	محمد سفیان علی	محمد علی	عصمت آباد چارسدہ
5	فہیم اللہ	مثل خان	قادرآباد چارسدہ
6	دانیال احمد	نوید گل	سٹیشن کورونہ چارسدہ
7	عادل محمد	آیاز محمد	عصمت آباد چارسدہ
8	محبوب احمد	بدیع الزمان	اسلام آباد کورونہ چارسدہ
9	ثناءاللہ	اکرام اللہ	بختیار آباد چارسدہ
10	خُبیب اللہ	طارق عزیز	کپتان کورونہ چارسدہ
11	محمد حمزہ خان	گوہرعلی	ملک آباد چارسدہ
12	محمد فیضان	محمد سلیم	اکبرآباد چارسدہ
13	محمد شفیق	رحیم سید	ملک آباد چارسدہ
14	حضرت عمر	شہزاد	شیخ احمد بابا چارسدہ
15	محمد ثاقب	سمیع اللہ جان	واپڈا کالونی چارسدہ

16	مصباح اللہ	گل روزی خان	نستہ چارسدہ

مہتمم جامعہ ھذا :

بعدازاں جامعہ ہذا کے بانی ومہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان صاحب نے مختصر گفتگو کر کے تمام مہمانوں اور متعلقین کا جامعہ آمد پر شکریہ ادا کیا۔آخر میں شیخ الحدیث حضرت مولانا شہریار احمد مدنی مدظلہ کی رقت آمیز دعا سے یہ پُر وقار اور بابرکت تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

مہمانوں کی ضیافت :

جامعہ کی طرف سے تمام آنے والے معزز مہمانوں کے لیے طعام کا انتظام کیا گیا تھا، لہذا پروگرام کے اختتام پر تمام مہمانوں نے کھانا تناول فرمایا اور اپنے اپنے گھروں کی طرف واپس تشریف لے گئے۔اللہ تعالیٰ سب کی حاضری قبول فرمائے اور ہمیں بار بار ایسی بابرکت تقریبات سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

دینِ متین کی نشر واشاعت اور اسلامی صحافت کی ترویج میں

"ماھنامہ ندائے حسن چارسدہ" کا ساتھ دیجیے!!

مدیر مسؤل: مفتی حمید اللہ جان

دینِ متین کی نشر واشاعت میں ماہنامہ ندائے حسن کا ساتھ دینے کے لیے آپ خود بھی اس کے قاری بن جائیں اور اپنے اعزہ واحباب کو بھی اس کارِ خیر میں شرکت کی دعوت دیں۔ہوسکتا ہے کہ ہماری اور آپ کی دعوت سے کسی مسلمان بھائی وبہن کو قرآن وحدیث اور اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرنے اور زندگی سنوارنے کا موقع مل جائے اور ہم اس کے نیک اعمال میں برابر کے حصہ دار بن جائیں!

مستقل قاری بن کر آپ صرف 300 روپے سالانہ میں گھر بیٹھے ماہنامہ ندائے حسن کا شمارہ پڑھ سکتے ہیں۔آج ہی اپنا نام اور ڈاک پتہ بھیج کر اسلامی تعلیمات کی نشر واشاعت میں اپنا حصہ ڈالیں۔

﴿اخبار جامعہ﴾

جامعہ کے شب و روز

مولانا امجد علی حقانی

تعلیمی اور انتظامی مشورہ:

جامعہ کے روشن اور کامیاب مستقبل کی خاطر رواں اور آئندہ سال کے تعلیمی اور انتظامی امور پر بحث کے لیے 10 فروری 2022ء بروز جمعرات تعلیمی اور انتظامی مشورہ منعقد ہوا، جس میں جامعہ کے تمام اساتذہ نے شرکت کی۔ تمام اساتذہ نے جامعہ کی بہتری کے لیے اپنی آراء اور تجاویز پیش کیں۔

سالانہ اور وفاق المدارس کے امتحانات:

جامعہ کا تعلیمی دورانیہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اختتام پذیر ہوا۔ تقریباً دو ہفتے وفاق کی تیاری کے لیے خاص کیے گئے تھے۔ غیر وفاقی درجات کے سالانہ امتحان کا دورانیہ 19 فروری بروز ہفتہ سے 24 فروری بروز جمعرات تک رکھا گیا، جبکہ وفاق المدارس کے امتحان کے لیے جامعہ کے اندر ہی امتحانی ہال مقرر ہوا، جس کا دورانیہ ۲۶ فروری سے ۳ مارچ تک تھا۔ اللہ تعالیٰ تمام طلبہ کو اعلیٰ نمبرات سے کامیاب کر کے اساتذہ اور والدین کے لیے نیک نامی اور صدقہ جاریہ بنادے۔

اگلے تعلیمی سال کے لیے داخلوں کا اعلان:

انشاء اللہ العزیز 14/مئی 2022ء کو اگلے سال تعلیمی سال نمبر 13 کے لیے درس نظامی و شعبہ حفظ میں داخلے شروع ہوں گے۔ لہذا خواہش مند طلبہ داخلے کے لیے بروقت رجوع کریں۔

جامعہ حسن کے چند مخصوص درجات اور ان کی خصوصیات:

درجہ اولی خصوصیات:

☆ ہر طالب علم میں نحوی تراکیب کا ملکہ پیدا کرنا

☆ صرفی اجراء اور قرآنی صیغوں کے حل کی استعداد پیدا کرنا

☆ روزمرہ عربی بول چال اور حوارات پر خصوصی توجہ

☆ تجوید اور مشق پر خصوصی توجہ اور حفاظ کرام کے لیے دَور کا خصوصی اہتمام

دورۂ حدیث اور موقوف علیہ:

☆ صحیح بخاری اور ترمذی کے طرز پر جملہ صحاح، طحاوی اور مؤطائین کی مکمل تدریس

☆ ہر طالب علم کو صحاح ستہ کی عبارت پڑھنے کا مستقل موقع فراہم کرنا

☆ دورۂ حدیث کے لیے صحاح ستہ کی عربی اور اُردو شروحات اور اسماء الرجال کی مستند کتب پر مشتمل الگ کتب خانہ

☆ اصول حدیث اور اصول تخریج پر خصوصی توجہ

☆ صحاح ستہ کی تدریس کے لیے شیخ الحدیث مولانا اورنگزیب کوہستانی صاحب (سابقہ شیخ الحدیث دارالعلوم فیصل آباد) اور دیگر تجربہ کار اور قابل اساتذہ کی خدمات

نوٹ: اس سال دورۂ حدیث اور موقوف علیہ کے طلبہ کو معتبر اعذار کی وجہ سے غیر رہائشی ہونے کی اجازت ہوگی۔ تاہم عصر تک اسباق کا دورانیہ ہونے کی وجہ سے عصر تک حاضری ضروری ہوگی۔

تخصص فی الفقہ:

☆ مایہ ناز ملکی جامعات کے تخصصات کے نصابوں کا نچوڑ

☆ اصول املاء وترقیم، مضمون نگاری ومقالہ نگاری، اصول تحقیق وتخریج اور اصول افتاء کی تدریس

☆ تاریخ التشریع الاسلامی، الفقہ المقارن، اور فن الاشباہ والنظائر کا خصوصی مطالعہ

☆ مجلۃ الاحکام العدلیۃ اور دیگر فقہی اصول وقواعد کا اجراء

☆ الوجیز، فتح القدیر، شامی اور دیگر عربی واردو شروحات وفتاویٰ کا تحقیقی وتقابلی مطالعہ

☆ اسلامک بینکنگ، تکافل، اور المعائیر الشرعیہ کے خصوصی کلاسز

☆ دستور پاکستان اور تعزیرات پاکستان کا ضروری تعارف ومطالعہ

☆ کم از کم سو فتاویٰ جات کی تمرین

☆☆☆☆☆